

خوشبوئے محمدیہ سرورانیہ

الحاج صاحبزادہ حافظ محمد اظہر منیر سہروردی سندیلہ
خادم دربار عالیہ حضرت بہاؤ الدین آخر
(احمد پور شرقیہ)



خوشبوئے سہروردیہ

4 شعبان المعظم 1438 ہجری

حضرت شیخ الاسلام کا علمی و روحانی مقام

خادم الفقراء

الحاج صاحبزادہ حافظ محمد اظہر منیر سہروردی

خادم دربار عالیہ حضرت بہاؤ الدین آخِر (احمد پور شرقیہ)

297-692
 525
 خوش
 125591
 5

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب:	: خوشبوئے سہروردیہ
مصنف	: الحاج صاحبزادہ حافظ محمد اظہر منیر سہروردی سندیلہ
پروف ریڈنگ	: حاجی احسان الامین سہروردی، حاجن شمینہ احسان سہروردی
معاون خاص	: حاجی احسان الامین سہروردی، حاجن شمینہ احسان سہروردی
اشاعت اول	: 13 نومبر 2016ء، 1438 ہجری
ناشر	: احسان پبلشرز، منیر مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
زیر اہتمام	: درس قرآن کمیٹی لاہور (پاکستان)
	: B بلاک شاہ فرید چوک سبزہ زار سکیم لاہور
فون:	: 0331-4577326 - 0300-4153498

انتساب

یہ کتاب میں اپنے والدین اور اپنے مرشد کریم کے نام کرتا ہوں۔ جن کی روحانی تربیت اور دعاؤں کی وجہ سے میں آج اس قابل ہوں۔ اللہ کریم میرے والدین اور میرے مرشد کریم کو صحت، سلامتی اور عمر خضریٰ عطا فرمائے، تاکہ ہم ان کے سایہ رحمت سے فیض یاب ہوتے رہیں۔

صوفیہ پبلشرز

خادم الفقراء

صاحبزادہ حافظ محمد اظہر منیر سہروردی سندیلہ

ابتدائیہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

میرے لئے باعثِ افتخار ہے کہ قاری اظہر منیر سہروردی صاحب نے مجھے اپنی کتاب کا ابتدائیہ لکھنے کو کہا۔ کوشش کروں گا کہ ایسی باتیں لکھوں جو قاری صاحب کے اور میرے بارہ سالہ تعلق کا احاطہ کرے۔

میں بحیثیتِ خادمِ درسِ قرآن کمیٹی جو بھی لکھ رہا ہوں وہ سب میری اور میری ٹیم کی طرف سے ہے، جس کی وجہ سے آج ہمارا ادارہ نہ صرف علاقہ بھر میں بلکہ پاکستان کے تمام شہروں اور بیرون ملک میں بے حد مقبول ہے۔

لکھنے کو تو بہت کچھ ہے قاری اظہر صاحب کی شان میں، مگر بہت سوچنے کے بعد بڑی مشکل سے تین باتوں کا ذکر کروں گا جو کہ قاری صاحب کی زندگی کو سمجھنے میں آپ سب کو بہت مدد دے گی۔

1- ہفتہ وار درسِ قرآن:

دس سال پہلے میں اُن لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے درسِ قرآن کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ کچھ دوستوں کی رائے تھی کہ ماہانہ درسِ قرآن منعقد کیا جائے، کچھ مہینہ میں دو مرتبہ انعقاد کے حق میں تھے مگر ہم اسے ہفتہ وار منعقد کروانا چاہتے تھے۔ دوستوں نے رائے دی کہ یہ بہت مشکل اور ناممکن ہے، لوگ نہیں آئیں گے مگر قاری صاحب کو اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین کامل تھا لہذا یہی فیصلہ ہوا کہ درس قرآن ہر اتوار کو ہوا کرے گا۔

مجھے یاد ہے پہلا درس قرآن آٹھ سے دس لوگ آئے مگر ہم نے حوصلہ نہیں ہارا اور اذان دیتے رہے۔ قافلہ بڑھتا رہا، آج مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ اب قاری صاحب کا گھر چھوٹا پڑ گیا ہے، لوگ اب گلی میں کھڑے ہو کر درس قرآن سنتے ہیں اور بہت دور دور سے آتے ہیں۔ گرمی، سردی، بارش، رمضان کوئی چیز انہیں نہیں روکتی۔ قاری صاحب کے گھر کے ہر کمرے میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ درس قرآن کے دن میں جس جگہ بیٹھتا ہوں وہاں سے ہر آنے والے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ اللہ سے دعا ہے کہ درس قرآن میں آنے والے سب بھائی بہنوں کی دلی مرادیں پوری ہوں۔ آمین۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ آباد رہے۔

2۔ سالانہ محفل میلاد:

روحانیت سے بھرپور سالانہ محفل قاری صاحب کا جنون اور شوق ہے۔ ہم لوگ سارا سال اس کی تیاری کرتے ہیں اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب ہم اس پر بات نہ کرتے ہوں۔ مجھے یاد ہے وہ پہلی سالانہ محفل جو قاری صاحب کے گھر کی چھت پر منعقد ہوئی تھی اور اُس میں سوا فرد شریک ہوئے اور پھر اللہ اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرم کر دیا اور گزشتہ سال یہ محفل بے پناہ رش کی وجہ سے گراؤنڈ میں منعقد کی گئی۔ جو لوگ اس میں شامل ہوئے وہ جانتے ہیں کہ زائرین کی تعداد ہزاروں میں تھی اور مجھے یقین ہے کہ ایک دن آئے گا جب ہماری سالانہ محفل سبزہ زار کے اسٹیڈیم میں منعقد ہوگی (انشاء اللہ)۔ سالانہ محفل کا دن میری اور میری ٹیم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنی پوری توانائی اس محفل کو بہتر سے بہتر کرنے میں صرف کرتا ہے۔ چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، سب اپنا اپنا رول احسن طریقے سے

سرا انجام دیتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے درس قرآن کمیٹی کے تمام ممبران کو خوشیاں اور صحت عطا فرمائے، آمین۔

محفل میں شرکت کرنے والے بتاتے ہیں کہ جو روحانیت وہ محسوس کرتے ہیں وہ ناقابل بیان ہے کیونکہ ہم کوئی ایسی بات یا فعل دوران محفل نہیں کرتے جو شریعت کے برخلاف ہو۔

پیر طریقت رہبر شریعت ولی ابن ولی جانشین غوث العالمین حجۃ الکاملین الامجدوم پیر سید محمد غوث شاہ صاحب مدظلہ تعالیٰ جانشین حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ تھے جو کہ قاری صاحب اور ہم سب کے رہبر اور رہنما ہیں، نے 2003ء سے 2013ء تک مسلسل 10 سال سالانہ محفل میں شرکت کے لیے احمد پور شرقیہ سے لاہور آتے رہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہم سب پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

3۔ درس قرآن کمیٹی:

یہ کمیٹی قاری صاحب نے آج سے سات سال پہلے بنائی اور مجھ ناچیز کو اس کی کمان سونپی۔ میرے ذمہ درس قرآن کا انتظام، لنگر کی تقسیم، سالانہ محفل کے انتظامات اور سب سے بڑھ کر زیارات مقدسہ کی دیکھ بھال تھی میں خوش قسمت ہوں کہ تمام زیارات جن میں گیسوئے مبارک، سرکارِ دو عالم ﷺ کے موئے مبارک، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موئے مبارک، حضرت عبدالقادر جیلانی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی کالی کملی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چادر مبارک، غلافِ کعبہ، روغن گنبد خضراء، خاک شفا کے علاوہ بے شمار نایاب اور متبرک پتھر جن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون اور انگوٹھے کے نشانات واضح ہیں۔ میں یہ ذمہ داریاں اپنی ٹیم کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا مجھے خوشی ہے کہ درس قرآن کمیٹی کی پوری ٹیم نے مجھے بہت عزت دی۔ یہ عزت میرا کل سرمایہ حیات ہے۔ میں ہر جگہ ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں۔

اور آخر میں سب سے اہم بات جو کہ میرے اور میری ٹیم کے لیے باعث سکون اور باعث نجات ہے۔ قاری صاحب نے مجھے ایک دن محفل کے بعد بتایا کہ نوید صاحب کل رات میں نے خواب دیکھا کہ آپ اور میں روضہ رسولؐ کے اندر حاضر ہوئے ہیں اور ہم نے سرکار کے روضہ کے اندر کچھ وقت اکٹھے گزارا۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آقاؐ نے میری اور درس قرآن کی ٹیم کی خدمات کو پسند فرما کر ہمیں یہ سعادت بخشی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔

نوید بیٹ
درس قرآن کمیٹی

عرض لطیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَ اَهْلِ بَيْتِهِ اَجْمَعِیْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی اَوْلِیَاءِ
الْكَامِلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی فِیْ شَأْنِ حَبِیْبِهِ صَلَّى اللّٰهُ
تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُخْبِرًا وَّ اَمْرًا ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلِقْتَ عَظِیْمًا (سورة القلم)
”اور بے شک اے محبوب! آپ کی خوبو بڑی شان کی ہے“

(آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن کریم ہے۔ یہ قرآن کریم
خاموش ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیتے جاگتے، بولتے ہوئے قرآن ہیں۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجموعہ صفات نبی ورسول ہیں۔ آپ کی
کروڑوں صفات پاک میں سے ایک صفت پاک خوشبو مصطفیٰ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ
تعالیٰ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ کی گلیوں میں
سے گزر کر جاتے تو ہم اپنے آقا کریم کی خوشبو سونگھ کر سمجھ جاتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم یہاں سے گزر کر گئے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے رخساروں پر پھیرا تو مجھے ایسی خوشبو پہنچی

کہ اس قسم کی خوشبو عطر فروشوں کی دوکانوں پر بھی نہ سونگھی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستہ سے گزر جاتے تو کئی روز تک اس راستہ سے بھیننی بھیننی خوشبو کی مہک آتی رہتی تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے یثرب (مدینہ منورہ) بیماریوں کا گھر تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو مدینہ طیبہ آپ کی خوشبو سے خوشبودار ہو گیا اور اس وجہ اس شہر کا نام طیبہ ہوا۔

طَابَتْ بِطَيْبِكَ طَيْبَةٌ وَ تَرَاهَا

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ طَيْبَةٌ سَمَّاهَا

آپ ﷺ کی خوشبو سے مدینہ منورہ کی مٹی خوشبودار ہو گئی۔ اس وجہ سے اس کا نام

طیبہ ہوا۔

مَلَأَ الْوَجُودَ عَبِيرُ عَنَبٍ عَطْرَاهَا

وَ عَلَا عَلَى الْأَفَاقِ طَيْبٌ شَذَاهَا

آپ ﷺ کی خوشبو پاک سے سارا مدینہ منورہ بھر گیا اور زمین عنبر اور ہوا عنبر بن گئی

اور آفاق پر اس کی خوشبو غالب آ گئی اور سب کو طیب بنا دیا اور غبارِ رشکِ مشک ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر درود شریف پڑھنے سے

خوشبو پیدا ہوتی ہے جو آسمان تک جاتی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت

کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مجلس جس میں مجھ (نبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود شریف بھیجا گیا تو اس مجلس سے ایک خوشبودار ہوا اٹھے گی جو آسمان

تک پہنچے گی اور ملائکہ کہیں گے کہ دنیا میں کوئی ایسی مجلس ہوئی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا گیا ہے۔ یہ اس کی خوشبو ہے۔

(بحوالہ دلائل الخیرات شریف)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پر ایمان لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی خوشبو آتی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر اپنے جاں نثار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ قبرستان کی طرف سے بھینی بھینی خوشبودار ہوا چلی اور دماغوں کو معطر کرنے لگی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خوشبو کیسی ہے؟ فرمایا، ادھر میرے کعب رضی اللہ عنہ کی قبر ہے اور یہ جنت کی خوشبو ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اُمتی کے ایمان کی معراج ہے۔ درود و سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمتی کے درمیان ایک گہرا رابطہ ہے۔ درود و سلام کی کثرت سے اُمتی کے منہ اور جسم میں ایک خاص طرح کی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس اُمتی کی خوشبو محسوس فرمالتے ہیں اور اُمتی کے والدین کو بھی جانتے ہیں، اُمتی کا نام بھی جانتے ہیں۔ اس بات کی کامل دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی شریف میں جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک خوشبودار ٹھنڈی ہوا محسوس ہوئی تو فرمایا:

إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ نَفْسِ الرَّحْمَنِ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ ط
تحقیق میں رحمن کی خوشبو یمن کی طرف سے پاتا ہوں۔

یہ کس محبوب کی خوشبو ہے؟ یہ محبوب اولیٰ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ غیبی خوشبو حُبِ مصطفیٰ کی خوشبو تھی جو یادِ مصطفیٰ یعنی درود و سلام سے ملتی ہے۔

اولیاء اللہ کی ولایت کا منبع ذکر الہی اور درود و سلام کی کثرت ہے۔ یہی ولی کی نشانی ہے کہ اُن کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام میں ہمیشہ تر رہتی ہیں اور انہیں قرب الہی و قربِ مصطفیٰ نصیب ہو جاتا ہے۔ انہی اولیاء کرام کے بارے میں حدیث قدسی ہے یعنی کلام اللہ بزبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَوْلِيَاءِ مِي تَحْتَ قُبَاءِ مِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي ط

میرے اولیاء میرے دامن میں چھپے ہوئے ہیں، میرا سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اعلانِ نبوتِ اسوہ حسنہ اور تائید من اللہ اور معجزات سے پہچانے جاتے ہیں، مگر اولیائے کرام کی پہچان مشکل ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہ کی ذات اپنی قدرتوں کے پردہ میں چھپی ہوئی ہے اور کلام اللہ نے کلامِ نفس کو قرآنی الفاظ میں چھپا رکھا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ جو مقربانِ بارگاہِ الہی ہیں، جامہ بشریت میں چھپے رہتے ہیں ان کے سینہ میں انوارِ الہی اور اسرارِ الہی مستور ہوتے ہیں جس سے یہ پہچانے نہیں جاتے اور یہی اللہ کے دامن میں چھپنے کا مفہوم ہے۔

ہدایت و رشد کے پانچ سلاسل ہیں۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور اویسیہ۔ یہ پانچوں سلاسل پنجتنِ پاک سے محبت کی وجہ سے مقبولِ بارگاہِ الہی ہیں۔ ان سلاسل کی بنیاد محبتِ رسول و محبتِ اہل بیت رسول ہے۔ حاضر مطالعہ کتاب خوشبو سہروردیہ کی اصل محبت رسول ہے اور محبت رسول ہو تو خوشبو خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف ہمارے دوست محترم و مکرم پیر حافظ قاری محمد اظہر منیر سہروردی صاحب دامت برکاتہم علیہ جو فنانی الرسول اور فنانی الشیخ کے مرتبہ پر فائز ہیں اور ان کی باتوں سے تقریروں سے خوشبو مصطفیٰ آتی ہے، دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔

ملتان شریف جو مدینہ منورہ شریف کی ایک کھڑی ہے، ایک دروازہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینہ طیبہ کا ایک باغ ہے اور نائب رسول حضرت بہاء الحق زکریا سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کا شہر ہے۔ اس سارے باغ کی رونق ذکر الہی

اور خوشبو و درود شریف سے ہے۔ یہ خوشبو و درود شریف حضرت بہاء الحق زکریا سہروردی نے رُمائی۔ یہ عزتیں اور رونقیں درود شریف کا فیضان ہیں اور اسی صلوة و سلام کے انوار ہیں کہ آٹھ سو سال گزر چکے ہیں مگر خوشبو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض جاری و ساری ہے۔

سید فیاض احمد المعروف سید فیاض حسین شاہ
 سجادہ نشین دربار عالیہ
 سید نور شاہ ولی رستم پور شریف
 نارنگ روڈ ضلع شیخوپورہ

فیضانِ سہروردیہ

شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور پھر ہمارا انتخاب اپنے ماننے والوں یعنی مسلمانوں میں کیا۔ بہت ہی کریم ذات ہے اُس خالق و مالک کی جس نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ ہم بھی فرشتوں اور کائنات کی ہر چیز کے ساتھ اپنے رب کی حمد و ثنا کریں۔ پھر ہماری سب سے بڑی خوش نصیبی کے ہم کو اپنے پیارے راج ڈلارے ہم سب کی آنکھوں کے تارے ہمارے آقا و مولا حضور پُر نور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اُمت میں پیدا فرمایا۔ قربان جاؤں اپنے آقا کی شان پر کہ جنہوں نے ہم جیسے کمزور عمل اور گناہگار لوگوں کو بھی اپنی اُمت کا حصہ بننے کا شرف بخشا۔

یہ میرے پیارے آقا و مولا حبیبِ کبریا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ محبت کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنی اُمت کے بہت سے لوگوں کو بامِ عروج عطا فرمایا اور یہ محبت کی نگاہ ان بزرگوں، ان نیک ہستیوں پہ تب ہی پڑی جب انہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر قربان کر دیا اور اپنی تمام عمر کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے پرچار میں وقف کر دیا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر ہے کہ دین اسلام میں اللہ کے ہاں نیک بندوں کا ایک الگ اور نمایاں مقام ہے۔ جب ان نیک لوگوں نے خود کو اللہ کی محبت اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں ڈھالا تو کوئی خواجہ معین الدین چشتی بنے تو کوئی داتا علی ہجویری بنے۔ کوئی سلطان باہو بنے تو کوئی بابا فرید الدین گنج شکر

بنے تو کسی کو میرے آقائے شیخ شہاب الدین سہروردی بنایا اور پھر سہروردیوں کے شہنشاہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو ولیوں کے جھرمٹ میں ایک بے مثال ستارہ بنایا۔

قارئین! اللہ تعالیٰ کی ذات کا بہت احسان ہے کہ جس نے ہمیں ان بزرگوں کی محبت عطا کی اور ان کا پیروکار بنایا۔ یہ چشتی، نظامی، نقشبندی، جویری، قادری اور سہروردی سلاسل تمام کو تمام فیروں کی مانند ہیں جو مختلف راستوں اور علاقوں سے ہوتی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو دو سخا اور عنایات کے سمندر میں جا ملتی ہیں۔ بے حد احسان ہے میرے اللہ کا جس نے ہم جیسے گناہگاروں کو سلسلہ سہروردیہ کے ساتھ منسلک کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نیک ہستیوں کے صدقہ میں ہم پر بہت سے لطف و عنایات کے دروازے کھولے ہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ہم سلسلہ سہروردیہ کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی آل پاک کے ساتھ منسلک ہیں۔ میرے پیر و مرشد غوث محمد شاہ صاحب سلسلہ سہروردیہ کے ایک چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔ آپ کا تعلق احمد پور شرقیہ سے ہے جو کہ جنوبی پنجاب میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے مرشد خانے کو تاقیامت سلامت رکھے۔ آئیے قارئین میں آپ کو فیضان سہروردیہ کی ایک جھلک دکھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اپنے نیک بندوں کی بدولت ہم پر کیا کیا کرم کیے ہیں۔

یہ 1999ء کی بات ہے کہ میرے بڑے بھائی حضرت علامہ صاحبزادہ حافظ محمد اظہر منیر سہروردی صاحب بہت زیادہ علیل ہو گئے تھے تب آپ مرشد کریم کی بیعت نہیں تھے۔ برادر اکبر کی طبیعت اتنی ناساز ہو گئی تھی کہ ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دیا۔ میرے والد محترم حافظ وقاری منیر احمد سہروردی صاحب تب ایک مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور میرے والد گرامی میرے پیر و مرشد کے پیر بھائی بھی، یعنی میرے دادا مرشد حضرت پیر شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ بھائی صاحب کی حالت اتنی نازک

تھی کہ پانی تک پینا اُن کیلئے محال تھا۔ والد گرامی مایوس ہو کر انہیں لاہور سے واپس اپنے گاؤں جلاپور پیر والا لے جانے کی سوچ رہے تھے کہ اتنے میں میرے پیر و مرشد مخدوم محمد غوث شاہ صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ اُن دنوں کسی کام سے لاہور آئے ہوئے تھے تو آپ نے والد صاحب کو تسلی دی اور فرمایا کہ قاری صاحب لوگ دیہاتوں سے علاج کیلئے شہر کا رخ کرتے ہیں اور آپ انہیں لاہور جیسے شہر سے گاؤں لے جانے کی سوچ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اللہ نے چاہا تو آپ کے فرزند کو ادھر ہی صحت یابی ہوگی۔ آپ نے اسی وقت پانی کو دم کیا اور پانی بھائی صاحب کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا کرم کیا کہ مریض جن کو ڈاکٹروں نے لا علاج قرار دیا تھا وہی مریض اللہ والے کی نگاہ فیض سے بہتر ہو رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے میرے بڑے بھائی صاحب چند دنوں میں اللہ پاک کی کرم نوازی سے صحت یاب ہو گئے اور تب انہوں نے سلسلہ سہروردیہ سے منسلک ہونے کا فیصلہ کیا اور میرے مرشد کریم مخدوم محمد غوث شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ پھر پیر کامل کی محبت و شفقت کا مرکز بنتے گئے۔ یہاں تک کہ مرشد کریم نے آپ کو سلسلہ سہروردیہ کی خلافت عطا فرمائی۔ آج میرے ولی نعمت کی نگاہ محبت کا یہی کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برادر اکبر حضرت علامہ مولانا قاری اظہر منیر سہروردی صاحب کو بہت ہی عزتوں سے نوازا ہے۔ ہمارے بزرگوں کی دعاؤں کی بدولت ہی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال انہیں اپنے در کی حاضری کیلئے طلب فرماتے ہیں۔

احباب! اگر ان بزرگوں کی کرامات اور محبتوں کا ذکر کرتے رہیں تو زندگیاں کم پڑ جائیں گی مگر اللہ کے نیک بندوں کی محبتوں کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا۔ مجھ پر بھی میرے بزرگوں کی بڑی شفقت ہے، اُن کی دعاؤں سے مجھے اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کا شرف بخشا ہے۔ میرے پیر و مرشد کی محبت ہے مجھ

سے کہ جب بھی ملاقات ہوتی ہے تو آپ مجھے نعت شریف کی فرمائش کرتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ میرے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے حوالے سے نعت شریف ”آگے آگے مصطفیٰ آگے“ سنتے ہیں۔ یہ سلسلہ سہروردیہ کا فیضان ہی ہے کہ پیارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنی مدح سرائی کے قابل سمجھا ہوا ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ان بزرگوں کے ساتھ سچی پکی عقیدت و محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سب لوگوں کا سایہ ہم پر قائم و دائم فرمائے۔ آمین ثم آمین

دعاؤں کا طلب گار

صاحبزادہ محمد جاوید منیر سہروردی سندیلہ

معیتِ اولیاء

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ.

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہر جگہ اور ہر حالت میں ڈرتے رہو اور
سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ

جُنُوبِهِمْ. (سورة الكهف)

اے انسان اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ ملا لے جو اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھتے یاد
کرتے رہتے ہیں۔

قرآن پاک کی ان آیات میں خداوند تعالیٰ ایمان والوں کو حکم دیتا ہے، سچے

لوگوں یعنی اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ساتھ ہو جاؤ اور ان کی معیت و رفاقت
اختیار کرو۔

اور دوسری آیت پاک میں خداوند کریم نے اولیاءِ عظام کی معیت و رفاقت

کو اور بھی کھل کر بیان فرمایا ہے کہ اتنا ہی نہ کرنا کہ کسی مردِ کامل کے مقدس ہاتھوں میں ہاتھ

دے کر یعنی صرف بیعت کر کے ہی بس نہ کرنا بلکہ اپنے نفس کو اپنے دل کو اور اپنی روح کو بھی

اولیاء اللہ کے ساتھ وابستہ کرنا۔ غرضیکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام کے ساتھ

معیتِ جسدی کا حکم فرمایا ہے وہاں معیتِ روحانی کی بھی تاکید کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی مرشدِ کامل کی ظاہری بیعت پر ہی اکتفا نہ کرنا بلکہ باطنی طور پر

بھی ان سے لگاؤ رکھنا ضروری ہے۔

اگر کوئی مسلمان دل سے کسی مردِ کامل کی غلامی اختیار کرے گا اور دل و جان سے اولیاء اللہ سے محبت رکھے گا تو اس کا فائدہ قیامت کے دن یہ ہوگا، جب کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کہ دنیا میں جس سے محبت ہوگی وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔ امام الانبیاء علیہ السلام کے اس فرمان سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا میں اگر کسی کو داتا گنج بخشؒ سے محبت ہے تو قیامت کے دن وہ داتا کے ساتھ ہوگا اور دنیا میں جس کو غوثِ اعظمؒ سے محبت ہے قیامت میں وہ کملی والے کے ساتھ ہوگا۔ سنی اگرچہ گنہگار ہی سہی لیکن گستاخ و بے ادب نہیں ہیں اس لئے قیامت کے دن انشاء اللہ اولیائے کرام صحابہ عظام اور جناب خیر الانام علیہ السلام سے محبت و عقیدت ہی ان کے وسیلہ نجات اور ذریعہ بخشش بن جائے گی۔ کیونکہ ہر سنی کے دل میں ہر ولی، ہر پیر و فقیر، ہر صحابی اور ہر نبی کے محبت و عقیدت پوری طرح سے موجود ہے اور ہر سنی کا دامن کسی نہ کسی پیر و فقیر اور کسی نہ کسی مردِ کامل سے وابستہ ہے۔ اور ہر سنی کسی نہ کسی مُرشد و پیر کا طالب و مُرید ہے، مگر یہ گستاخانِ نبوت و ولایت اور اولیاء اللہ کی شانِ پاک میں بے ادبی و گستاخی کرنے والے مولوی اور بزرگانِ دین سے عداوت رکھنے والے واعظ اور ان کے متعلق بغض و عناد رکھنے والے بد عقیدہ لوگ قیامت کے روز کہاں جائیں گے۔

کس کو پکاریں گے، کس سے فریاد کریں گے اور کس کے ساتھ ہوں گے، جب کہ دنیا میں ان کو کسی پیر و فقیر اور کسی نبی و ولی اور کسی مرشدِ کامل سے کوئی عقیدت و محبت نہیں ہے۔

عارف رومی فرماتے ہیں:-

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند و حضورِ اولیاء

کہ وہ شخص جو یہ چاہتا ہے کہ میں خداوند کریم کے ساتھ بیٹھوں یعنی بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہو جاؤں تو اسے چاہیے کہ وہ اولیاء اللہ کے پاس بیٹھے، ان کی صحبت اختیار کرنے اور بزرگانِ دین کی مجلس میں رہے۔ اس لئے کہ:-

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے پاس ایک لمحہ بیٹھنا سو سال کی مقبول عبادت سے افضل و بہتر ہے۔ چنانچہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں اور دیوبندیوں کے امام و پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب اموات المشفق کے صفحہ ۵۴ پر نبی کریم علیہ السلام کی یہ حدیث پاک لکھی ہے:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَجْلِسَ مَعَ اللَّهِ فَلْيَجْلِسْ مَعَ أَهْلِ التَّصَوُّفِ.

کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ میں اللہ کے پاس بیٹھوں پس وہ کسی صوفی کسی درویش اور کسی مردِ کامل کے پاس بیٹھ جائے۔

مقصد یہ ہے کہ اولیائے کرام کے پاس بیٹھنا ہی اللہ کے پاس بیٹھنا ہے پھر یہی

نہیں بلکہ:

پیرِ کامل صورتِ ظلِ الہی
یعنی دیدِ پیرِ دیدِ کبریا

کہ چونکہ مُرشد برحق اور پیرِ کامل کی صورت جمالِ خداوندی مظہر تو ہوتا ہے اس لئے اپنے پیر کو دیکھنا خدا کو دیکھنا ہے۔ اولیاء اللہ کی صحبت بزرگانِ دین کی مجلس، صوفیائے کرام کی رفاقت اور درویشانِ کامل کی معیت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بُرے اچھے ہو جاتے ہیں اور بدنیک، بے مرد با مراد ہو جاتے ہیں اور بد نصیب خوش نصیب اور پیتل سونا اور ناقص کامل بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گلے خوشبوئے در حمام روزے

رسید از دست محبوب بدستم

کہ ایک دن میں حمام میں نہا رہا تھا کہ ایک دوست نے مجھے خوشبودار مٹی دی۔

بدو گفتم کہ مشکے یا عیبری

کہ از بوئے ولایزے تو مستم

تو میں نے اس مٹی سے پوچھا تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل کو بھانے والی

خوشبو نے مجھے مست کر دیا ہے۔

بگفتا من گلے نا چیز بودم

ولیکن مدتے با گل نشتم

تو اس مٹی نے جواب دیا کہ ہوں تو میں ایک ناچیز و حقیر مٹی لیکن میں چند دن

گلاب کے پھول کی صحبت میں رہی ہوں یعنی مجھ پر گلاب کا پھول اُگا ہوا تھا اور اس صحبت

کا اثر ہوا ہے کہ:

جمال ہمنشیں در من اثر کرد

وگر نہ من ہما خاتم کہ ہستم

کہ اس گلاب کے پھول کی خوشبو میرے اندر بھی آگئی ورنہ میں وہی حقیر مٹی

ہوں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی اس حقیقت افروز مثال اور ایمان بخش دلیل سے یہ حقیقت

پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ناچیز و حقیر مٹی چند دن گلاب کے پھول کی صحبت میں رہ

کر اور مشک و عنبر بن کر شیخ سعدی کے دل و دماغ کو معطر کر سکتی ہے تو ایک گنہگار بندہ کسی اللہ

کے والی کی صحبت میں رہ کر نیکو کار بھی ہو سکتا ہے اور ایک بدکار خوش اطوار بھی ہو سکتا ہے

اور ایک ناقص انسان کسی مردِ کامل کی صحبت میں رہ کر کامل بھی بن سکتا ہے اور جس طرح یہ

ناممکن ہے کہ برف میں رکھی ہوئی کوئی چیز ٹھنڈی نہ ہو اور آگ پر رکھی ہوئی کوئی شے گرم نہ

ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی ناقص انسان کسی کامل کی صحبت کے اثر اور اس کے فیوض و برکات سے محروم ہے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فیض صحبت کی مثال دے کر فرماتے ہیں:

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت

دانہ چوں آمد بزرع کشت گشت

کہ جس طرح قطرہ دریا میں اور دانہ کھیت میں مل کر کھیتی بن جاتا ہے اسی طرح ایک ناقص کسی کامل کی صحبت میں رہ کر کامل بن جاتا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی نیک اور کامل کی صحبت اور مجلس نصیب نہ ہو تو وہ قرآن پاک کی تلاوت کرے اور یہ ایسے ہے جیسے اس نے ارواح انبیاء علیہم السلام کی صحبت پالی، کیونکہ:

ہست قرآن حالہائے انبیاء

ماہیان بحر پاک کبریا

کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے جو کہ دریائے وحدت میں غوطہ زن رہنے والے ہیں۔ ارشادِ رومی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کامل کی صحبت میسر نہ آسکے تو پھر ان کے حالات و حکایات ہی کو پڑھنا اور سننا بمنزلہ ان کی صحبت کے ہے۔

بازاروں میں دودھ قیمتاً فروخت ہوتا ہے اور پانی کی کوئی قیمت نہیں ہے لیکن اگر کوئی قوم کا دشمن دودھ میں پانی ملا دے تو پھر پانی زبانِ حال سے دودھ کو کہتا ہے کہ تیری تو قیمت ہے اور میری کوئی قیمت نہیں ہے لیکن اب میں تیری صحبت میں آ کر تجھ میں سما گیا ہوں اور اب میرا کیا حال ہوگا، تو دودھ بھی زبانِ حال سے پانی کو جواب دیتا ہے کہ جب تک تو مجھ سے جدا تھا تو تیری کوئی قیمت نہ تھی اور اب چونکہ تو میری صحبت میں آ گیا ہے اس لیے اب جو قیمت میری ہے وہی تیری۔

گرم کوٹ کا کپڑا چاہے سو روپے گز والا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ کبھی درزی کی دکان پر کٹا پھٹا اور ادھر ادھر بکھرا رہتا ہے اور کبھی کسی دھوبی کی دکان پر الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے لیکن اگر آٹھ آنے کا کھڈر قرآن پاک کا غلاف بن جائے تو پھر قرآن مجید کے ساتھ لگ کر وہ بھی مسلمانوں کی بوسہ گاہ بن جاتا ہے اور ہاتھ غیبی سے آواز آتی ہے کہ اے ایمان والو! اگرچہ یہ آٹھ آنے گز کا معمولی سا کھڈر ہے مگر چونکہ اب یہ قرآن پاک کی صحبت میں آکر اس کا غلاف بن چکا ہے، اس لیے اب اس کو بے وضو ہاتھ نہ لگائیں۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالع ترا طالع کند

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے ایمان افروز قصے کے ساتھ ان کے اس کتے کا ذکر بھی فرمایا ہے جو ان کی صحبت میں رہ کر جنت کا حق دار بن گیا تھا۔

قصہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں اور کسی شہر میں ایک بادشاہ حکمران تھا جس کا نام وقیانوس تھا اور وہ بہت ظالم تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں یہ اعلان کروا دیا تھا کہ میری حکومت میں جس کسی نے بھی اللہ کا نام لیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس ظالم کی سلطنت میں اللہ تعالیٰ کے سات اولیائے کرام بھی رہتے تھے جو دن رات اپنے رب کریم کی عبادت و ریاضت اور اس کے ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے جب یہ اعلان سنا تو وہ آدھی رات کے وقت شہر سے نکل کھڑے ہوئے، جب وہ شہر سے باہر نکلے تو ان اولیاء اللہ نے دیکھا کہ ایک کتا بھی ان کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ کتے کو اپنے ساتھ دیکھ کر گھبرائے کہ یہ بھونکے گا تو پھر ہم پکڑے جائیں گے اور اسی خطرے کے پیش نظر وہ کتے کو مارنے، ہٹانے اور دھتکارنے لگے مگر کتے نے ان کو کہا:

(تفسیر کبیر جلد ۵ سن ۴۷۳)

مَا تُرِيدُونَ مِنْ لَّا تَخْشَوْنَ جَانِبِيْ اَنَا اُحِبُّ اِحْبَاءَ اللّٰهِ فَنَامُوا حَتّٰى

اٰخِرَسَاكُمُ.

کہ آپ کا مجھ سے کیا مطلب ہے آپ لوگ مجھ سے کوئی خوف نہ کھائیں، میں تو اللہ سے محبت کرنے والوں سے محبت رکھتا ہوں۔ پس آپ لوگ سو جائیں میں آپ کا پہرہ دوں گا اور میری تو آرزو یہ ہے کہ آپ لوگوں کی پاک صحبت سے میری نجات ہو جائے اور قیامت کے دن میں بھی بخشا جاؤں۔ چنانچہ قیامت کے دن جب اصحاب کہف یعنی وہ اولیاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے تو آج اولیاء اللہ کی پاک صحبت کو شرک و بدعت کہنے والے بد عقیدہ مولوی اس کتے کو بھی ان کے ساتھ جاتا دیکھیں گے۔ پھر اس کتے نے کہا: اے اللہ کے ولیو! اگرچہ میں کُتتا ہوں مگر یہ جانتا ہوں کہ تم اللہ کے ولی ہو اس لیے میں تمہیں بھونکوں گا نہیں، میں اس کُتے کے قدم کیوں نہ چوم لوں جو کُتتا ہو کر بھی اللہ کے ولیوں کو نہیں بھونکا اور ان انسانوں کو ابلیس کیوں نہ کہوں جو انسان ہو کر اولیاء اللہ کو بھونکتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور ان کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کو اس کُتے کی یہ اداسپند آگئی اور اس کی آواز پر تحسین و آفرین کہتے ہوئے قرآن پاک میں اس کتے کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے پہرہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ

غور کرو کہ ایک کُتتا ہو کر پہاڑ کی ایک غار کے منہ پر بیٹھ کر تین سو نو سال تک اولیاء اللہ کا پہرہ دیتا ہے کہ یہ کتنے افسوس کی اور دکھ کی بات ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے انسان اولیاء اللہ کو گالیاں دیتے ہیں، ان کو بُرا کہتے ہیں اور ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ اولیاء اللہ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے انسانوں سے اولیاء اللہ کی صحبت کے فیض سے جنت میں جانے والا کُتتا ہزار درجے افضل

ہے۔ پھر قرآن پاک کے اس ایمان افروز قصے سے یہ بات بھی پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جب اولیاء اللہ کی خدمت کرنے اور ان کی صحبت میں رہنے پر ایک انسان خدا کی رحمت و بخشش سے کیسے محروم رہ سکتا ہے۔ امداد المشتاق ۱۰۲ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے کہ ایک کتا سامنے سے گزرا۔ آپ کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو وہ کتا اس قدر صاحب کمال ہو گیا کہ شہر کے تمام کتے اس کے پیچھے دوڑتے تھے، وہ کتا ایک جگہ بیٹھ گیا تو سب کتوں نے اس کے گرد حلقہ باندھ کر مراقبہ کیا۔

امداد المشتاق ۱۵۷ پر لکھتے ہیں کہ میں نے حاجی صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ ایک بزرگ مشغول بیٹھے تھے کہ ایک کتا سامنے سے گزرا۔ اتفاقاً اس بزرگ کی نظر اس کتے پر پڑ گئی پھر اس بزرگ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی اور ان کی نگاہ کا اس کتے پر اتنا اثر ہوا کہ جہاں وہ کتا جاتا، کتے اس پیچھے پیچھے ہو لیے اور جہاں وہ بیٹھتا سارے کتے حلقہ باندھ کر اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ وہ کتا تمام کتوں کے لیے شیخ بن گیا۔

آگے لکھتے ہیں کہ دیکھئے جن کے فیوض و برکات جانوروں پر بھی ہوں ان سے انسان کیسے محروم رہ سکتا ہے، ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے، ہاں دھن ہونی چاہیے تھوڑی ہی ہو۔ اصحاب کہف کی برکت سے ان کا کتا بھی ایسا مشرف ہوا کہ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں اس کا ذکر فرمایا ہے جس کو قیامت تک نمازوں میں پڑھا جائے گا۔ تو جب حق تعالیٰ کی عنایت کتے پر اس قدر ہو گئی تو ہم پر کیوں نہ ہوگی۔

امداد المشتاق ۱۱۳ پر لکھتے ہیں کہ فقیر مرتا نہیں ہے صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کر جاتا ہے اور فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی ظاہری میں۔ اولیاء اللہ سے بغض و عناد رکھنے والے گستاخ اور بے ادب مولویوں اور بد عقیدہ واعظوں کو چاہیے کہ وہ ہماری کوئی بات نہیں مانتے اور ہماری کسی کتاب پر ان کو یقین نہیں ہے تو نہ سہی، کم از کم اپنے ہی پیر و مرشد اور امام و پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی پر ہی یقین

کر کے اور ان کی لکھی ہوئی ان سچی باتوں کو تسلیم کر کے اولیاء اللہ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرنی چھوڑ دیں اور اپنے باطل عقیدے سے توبہ کر کے سچے دل سے اولیائے کرام رحمہ اللہ علیہم کے خادم بن جائیں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے قطب تھے، کا ایک مجوسی سے وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق بحث ہو گئی۔ اس آتش پرست کافر نے کہا کہ ہم دونوں ہاتھ ملا کر آگ میں ڈالتے ہیں، جس کا ہاتھ جل گیا وہ جھوٹا اور جس کا بچ گیا وہ سچا ہوگا۔ چنانچہ اس دہریئے نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ باندھ کر آگ میں ڈال دیا اور جب تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ باہر نکلے تو دونوں کے ہاتھ صحیح سلامت تھے، نہ ہی حضرت مالک بن دینار کا ہاتھ جلا اور نہ ہی اس مجوسی کا۔ رات ہو گئی اور جب ساری کائنات سو گئی تو حضرت مالک بن دینار نے گوشہ تنہائی میں بارگاہِ رب العزت میں عرض کی، یا مولا! یہ مجوسی تو تیری ذات کا منکر تھا اور میں نے تو ستر سال تک تیری عبادت کی ہے مگر تو نے یہ کیا کیا کہ نہ تو میرا ہی ہاتھ جلایا اور نہ ہی اس کافر کا، تو پردہ غیب سے جواب آیا کہ اے میرے مقبول بندے! تیرا سوال تو ٹھیک ہے لیکن اس کے کفر کو دیکھتا یا تیرے ہاتھ کو، بات یہ ہے کہ چونکہ اس کا ہاتھ تیرے ہاتھ کے ساتھ تھا، اس لیے میں نے تیرے ہاتھ کی برکت سے اس کا بھی نہیں جلایا۔ اسے کہو کہ اگر امتحان لینا ہے تو پھر اکیلا اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالے۔

یہ ہے اولیاء اللہ کی معیت کا اثر اور بزرگانِ دین کی صحبت کا فیض اور اولیائے کرام کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے کا مقصد۔ اولیاء اللہ کے مراتب و مدارج ہوتے ہیں، کوئی ولی ہوتا ہے اور کوئی غوث، کوئی قطب ہوتا ہے اور کوئی ابدال۔ کوئی قطب مدار ہوتا ہے اور کوئی اوتاد جمع و تد کی ہے اور وتد کے معنی میخ اور قطب کے معنی بھی کٹی کے ہیں اور پھر ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ چلی کے دوپڑوں کے درمیان ایک کٹی ہوتی ہے جس کا تعلق چلی کے دونوں پڑوں سے ہوتا ہے اور چلی چلنے پر وہ دانہ جو چلی سے چمٹ جائے وہ پسے سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح یہ اولیاء اللہ اور قطب و اوتاد اس کائنات میں ایک کلتی کی مانند ہیں جن کا تعلق زمین سے بھی ہوتا ہے اور آسمان سے بھی، فرش سے بھی ہوتا ہے اور عرش سے بھی اور مخلوق سے بھی ہوتا ہے اور خالق سے بھی اور یہ خدا اور بندوں کے درمیان ایک وسیلہ ہیں۔ خالق و مخلوق کے درمیان ایک رابطہ ہیں اور آقا اور غلاموں کے درمیان ایک ذریعہ ہیں۔

اور جس طرح وہ دانہ جو چکی کی کلتی سے چٹ جائے، پسے سے بچ جاتا ہے اسی طرح وہ گنہگار جو کسی ولی اور مرشد کامل کے دامن سے لپٹ جائے خدا کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

اس لئے اے گنہگار بندو اور اے درد و غم کے مارے ہوئے انسانو! اگر تم بھی دنیا و آخرت میں عذابِ خداوندی اور قہرِ الہی سے بچنا چاہتے ہو اور دکھ و درد، رنج و غم اور مصائب و آلام سے نجات پانا چاہتے ہو اور اطمینانِ قلب، سکونِ دل اور تسکینِ روح حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اس دانے کی طرح جو چکی کی کلتی سے چٹ کر پسے سے بچ جاتا ہے تم بھی کسی مرشد کامل کے دامن سے لپٹ جاؤ، کسی مردِ قلندر کی صحبت اختیار کر لو، کسی ولی اللہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دو اور کسی فقیر بے نوا کے قدم چوم لو۔ بازار میں ایک آدمی سنگترے بیچ رہا تھا اور بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اچھے سنگترے! اچھے سنگترے! ایک مست پاس سے گزرا، اس نے جب یہ آواز سنی تو وجد میں آ کر رقص کرنے لگا۔ لوگ حیران تھے کہ اس درویش کو کیا ہو گیا ہے۔ آخر لوگوں نے پوچھا: اے مست! یہ وجد و رقص کس بات پر تھا؟ تو اس مست نے جواب دیا کہ کیا تم نے اس سنگترے بیچنے والے کی آواز نہیں سنی، جو بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اچھے سنگترے۔ اچھے سنگترے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے اچھے ہیں جو کسی مرشدِ کامل کی سنگت سے تر گئے ہیں۔

اولیاء اللہ کی معیت، بزرگانِ دین کی صحبت اور کسی مردِ کامل کی رفاقت سے نہ صرف یہ کہ ناقص کامل اور پیتل سونا بن جاتا ہے بلکہ مُرشد کی توجہ اتحادی سے شیخِ کامل اور مریدِ صادق کے درمیان سے تمام حجاباتِ باطنی اٹھ جاتے ہیں اور من و تو کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خدمت گار نانباتی پر خوش ہوئے اور فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے؟ عرض کی، آقا مجھے اپنے جیسا کر دیجیے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس نانباتی کو سامنے کھڑا کر کے توجہ اتحادی ڈالی۔ بس پھر کیا تھا، دیکھنے والے نہ پہچان سکے کہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کون ہے اور نانباتی کون ہے۔ لیکن چونکہ اس نانباتی کا کاسہ گدائی چھوٹا تھا اور وسعتِ دل تنگ تھی اس لئے وہ شیخِ کامل کی توجہ اتحادی کو برداشت نہ کر سکا اور تھوڑی دیر کے لیے اللہ اللہ کہتا ہوا جاں بحق ہو گیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ کسی مردِ کامل کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا ہزار سال کی مقبول عبادت سے بہتر

ہے مگر حضرت میراں بھیک فرماتے ہیں کہ:

ایک گھڑی سے آدھی اور آدھی سے بھی آدھ

بھیکا سنگتِ سادھ کی کاٹے کو اپرادھ

اور جب کوئی طالبِ صادق اور مریدِ با وفا اپنے مُرشدِ کامل کی محبت میں اپنے

آپ کو فنا فی الشیخ کر لیتا ہے جو کہ منزلِ حقیقت و معرفت کی پہلی سیڑھی ہے تو پھر وہ

مُرید باوفا بھی شیخ کامل بن جاتا ہے اور پھر کاٹنا مرید کو چبھتا ہے تو دردِ شیخ کو ہوتا ہے، خنجر اس پر چلتا ہے اور خون اس کا بہتا ہے۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاک کی ہو کہ ٹوری ہو

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اور پھر وہ جدہرد دیکھتا ہے اسے اپنے شیخ کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ عاشق

و معشوق کا حقیقی اتحاد اور طالب و مطلوب کی سچی سنگت اور مُرید و شیخ کی پکی معیت و صحبت کا آخرت مقام یہی ہے کہ مُرید شیخ میں فنا ہو جائے اور شیخ مرید کو اپنے جیسا کر دے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجنوں لیلیٰ کی محبت میں فنا ہو چکا تھا اور اسے

ہر طرف اور ہر چیز میں لیلیٰ ہی نظر آتی تھی۔ ایک دفعہ مجنوں کے جسم میں پھوڑا نکل آیا، ایک

حکیم کو بلا گیا کہ فصد کرے۔ حکیم نشتر سے فصد کرنے لگا تو مجنوں نے روک دیا۔ حکیم نے کہا

کہ اے مجنوں! تو تو شیروں سے بھی نہیں ڈرتا اور اب نشتر سے ڈر گیا ہے۔ مجنوں نے

جواب دیا:

گفت مجنوں من نمی ترسم ز نیش

صبر من از کوہ سنگین است بیش

لیک از لیلیٰ وجود من پر است

ایں صدف پر از صفاتِ آن دُرست

ترسم اے فساد گر فصدم گنی

نیش رانا گاہ بر لیلیٰ زنی

درمیانِ لیلیٰ و من فرق نیست

کہ حکیم صاحب میں نشتر سے نہیں ڈرتا، اس لیے کہ میرا صبر و تحمل تو پہاڑ سے بڑھ کر ہے لیکن میرے وجود میں لیلیٰ سمائی ہوئی ہے اور میرے بدن کا صدف لیلیٰ کی محبت کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے، میں ڈرتا تو اس لیے ہوں کہ اگر تُو نے میرے پھوڑے پر نشتر چلائی تو یہی نشتر لیلیٰ کے جسم پر لگے گی اس لیے کہ مجھ میں اور لیلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی

پُرسی اگر از جہاں کیست امام انام
نشوی از آسماں جز زکریا جواب
(فخر الدین ابراہیم عراقی)

دومان:

امام انام شیخ الاسلام غوث العالمین حضرت بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی کے اجداء عظام کا تعلق قریش کے معزز و مکرم قبیلہ سے تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو القریش الاسدی کہتے ہیں۔ شیخ عین الدین بیجاپوری آپ کے حسب و نسب کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا از اولادِ ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ است۔ وہ ہبار اسلام آوردہ بود۔ بردران اور معہ و عمر و عقیل بحالتِ کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و مسودہ کہ در زبان پیغمبر بود و دختر و معہ بود۔

یعنی حضرت بہاؤ الدین زکریا ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن اقصیٰ کی اولاد سے ہیں اور ہبار مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے بھائی دمعه عمر اور عقیل جنگ بدر میں مقتول ہوئے اور مسودہ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھیں، دمعه کی بیٹی تھی۔

حضرت شیخ کے جد امجد جن کا نام عام تذکروں میں کمال الدین شاہ قریشی مرقوم ہے، مکہ معظمہ سے نقل مکانی کر کے خوارزم میں سکونت پذیر ہوئے اور بعد ازاں وہاں سے ملتان آکر اقامت گزریں ہو گئے۔ اسی ”مدینہ اولیا“ میں ان کے نورِ نظر مولانا وجیہ الدین

محمد متولد ہوئے۔ ان کی شادی ”مولانا حسام الدین ترمذی“ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ انہی ایام میں نوح ملتان تاتاریوں کے حملوں کی آماجگاہ تھا، لیکن قلعہ کوٹ کروڑ قدرے محفوظ اور مصون مقام تھا۔ مولانا حسام الدین ترمذی یہیں مقیم ہو گئے اور اسی مقام پر بہاؤ الدین زکریا کی ولادت ہوئی۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم سابق استاد ادبیات تازی و رئیس دانش کدہ السنہ شرقیہ دانش گاہ پنجاب لاہور نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اپنے مقالہ ”الشیخ الکبیر بہاؤ الدین زکریا“ میں دریں الفاظ لکھا ہے: ابو محمد زکریا بن وجیہہ الدین محمد بن کمال الدین شاہ علی قریش بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن الحسین بن سلطان مطرفہ بن سلطان خزیمہ بن امیر ہاضم بن امیر تاج الدین بن امیر عبدالرحیم بن عبدالرحمان بن ہبار بن اسد بن ہاشم بن عبد مناف۔

شجرہ طریقت اس ترتیب میں ہے:

شیخ بہاؤ الدین زکریا شیخ سہروردی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی، شیخ وجیہہ الدین سہروردی، شیخ عبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری "Dina Wari" شیخ ممتاز علی دینوی، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سرسقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی۔ حضرت امام حسن، حضرت کرم اللہ وجہہ الکریم، فخر عالم و عالیمان، قبلہ عرشیاں فرشیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(بارہ سال کی عمر میں والد محترم دارالبقاء کی طرف چلے گئے۔ ان کی رحلت کے بعد آپ نے کلام مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن کریم حفظ کر لیا تو حلیہ تعلیم سے آراستہ ہونے کے لیے خراسان تشریف لے گئے)

بخارا جوان دنوں علوم و فنون کا گہوارہ تھا اور اسلامی ثقافت کا مرکز تھا، میں پہنچ کر علوم قرآن و حدیث، فقہ اور تفسیر کی تحصیل کی۔ بعد ازاں بہت سے بزرگان دین سے فیوض

روحانیہ اور باطنیہ کا اکتساب کیا۔ یہاں کے عوام میں آپ بہاؤ الدین فرشتہ کے نام سے مشہور تھے۔ تقریباً آٹھ سال تک یہاں رہے اور پھر زیارت حریم الشریفین کا شوق دامن گیر ہوا۔

مناسک حج ادا کرنے کے بعد روضہ مطہرہ کی زیارت سے مشرت ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک اس جنتِ ارضی یعنی جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زندگی بسر کی اور تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کے لیے ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیوض لامتناہی سے مالا مال ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ یہاں سے مزارات الانبیاء کی زیارت سے فارغ ہو کر عروس البلاد بغداد تشریف لے گئے۔

یہاں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی قدس سرہ علم و عرفان کی دولتِ لازوال سے سامکانِ جاہ حق کے دامن بھر رہے تھے۔ حضرت شیخ ان کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہوئے اور بہت جلد خرقہٴ خلافت پایا۔

خرقہٴ خلافت عطا کرنے کے بعد شیخ الشیوخ سہروردی نے آپ کو مرخص فرمایا اور ملتان میں مقیم ہو کر خلقِ خدا کو فیضِ رسائی کی تلقین فرمائی۔ ملتان پہنچے تو اہل ملتان نے آتشِ رشک میں جل کر آپ کی خدمت میں پانی سے لبریز پیالہ بھیج دیا جس سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر ان کی آمد سے پہلے ہی صاحبانِ کشف و کرامات سے پُر ہے، اس میں مزید کسی کے لیے گنجائش نہیں۔ حضرت شیخ ان کے رمز و کنایہ کو سمجھ گئے اور آپ نے پیالہ کی سطح پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ اُن کا قیام اس شہر میں اس طرح ہوگا جس طرح سطحِ آبِ پیالہ پر پھول۔

اکابرین شہر آپ کے اس مرموز جواب سے متحیر ہو کر آپ کے منقاد و مطیع ہو گئے۔ ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ تمام برصغیر پاک و ہند حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انوار و تجلیاتِ باطنیہ سے منور ہوا، اور آپ لوگوں اور صوفیاء میں

خیر الاعصار“ مشہور ہو گئے۔ سلسلۃ الذہب کے مؤلف شیخ محمد نور بخش لکھتے ہیں۔
حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔
علوم ظاہری و باطنی کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔
ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلاسل منشعب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان
کو کفر و طغیان سے ایمان کی طرف، عصیاں و معیت سے اطاعت گزاری کی طرف
اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ تھی۔

آپ کے فیض رشد و ہدایت سے امیر و غریب، شاہ و گدا اور خواص و عوام مستفیض
تھے۔ آپ کسی خاص جماعت یا طبقہ کو تلقین نہیں فرماتے تھے، جب آپ لوگوں کو راہ حق کی
تلقین کر رہے تھے تو ان دنوں ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان تھا، جو سلطان شمس الدین التمش
کا حریف بھی تھا۔ چونکہ سلطان شمس الدین التمش اپنے تدبیریں پاسداری شریعت
اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار ہوتا تھا، اس لیے شیخ عالم کار جہان قلبی اسی
طرف تھا۔

قباچہ نے التمش کی شان و شوکت اور سطوت و قوت کا اندازہ کر کے اس کے خلاف
معاندانہ سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا، لیکن ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی
جو ایک بے نظیر و بے عدیل عالم دین تھے اور شیخ بہاؤ الدین زکریا نے قباچہ کے اس فعل قبیح
سے اتفاق نہ کیا اور التمش کو مطلع کرنے کے لیے دونوں حضرات نے پُر خلوص خطوط لکھے،
مگر شومی قسمت یہ خطوط قباچہ کے گماشتوں کے ہاتھ لگ گئے۔

قباچہ بہت برہم ہوا اور قاضی صاحب کو حضرت شیخ کی معیت میں دربار میں
طلب کیا۔ جب یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے تو قباچہ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا کو
اپنی دائیں طرف بٹھایا اور قاضی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر دونوں بزرگوں کو
ان کے ارسال کردہ خطوط دکھائے۔ قاضی صاحب پڑھ کر متفعل و نادم ہوئے اور گردن نیچی

کر لی لیکن حضرت بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا:

اے قباچہ! بے شک یہ خط میرا ہی تحریر شدہ ہے اور میں نے اسے حکم الہی سے تحریر کر کے ارسال کیا تھا۔ یہ سن کر ناصر الدین قباچہ لرزہ بر اندام ہو گیا اور بصد انکساری و تفرع حضرت سے اس گستاخی و بے باکی کی معافی مانگی اور حضرت کو نہایت عزت و اجلال سے رخصت کیا، لیکن قاصی شرف الدین اصفہانی اس کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رہ سکے اور وہیں شہید کر دیئے گئے۔

آپ اپنے تبحر علم اور اکمال فضل کے باعث شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کے شیخ الاسلام مقرر ہونے کا حال مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں جب آپ کے دوست شیخ جلال الدین تبریزیؒ وارد دہلی ہوئے تو ان کے آنے کی خبر سن کر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کی آتش حسد بھڑک اٹھی۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے انہیں بادشاہ اسلام التمش کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کئے اور شیخ تبریزیؒ کو افتراء و اتہام کا نشانہ بنایا۔

چنانچہ ایک مغنیہ کے توسط سے ان پر زنا کا بہتان لگایا۔ اس پر سلطان نے ایک محضر کا حکم دیا، جس میں تمام برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ نجم الدین صغریٰ نے شیخ الاسلام کی حیثیت سے حضرت بہاؤ الدین زکریا کو ثالث مقرر کیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں یہ ثابت ہو گیا کہ اتہام زنا میں خود شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا ہاتھ تھا اور الزام زنا ثابت نہ ہوا تو شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ سخت شرمندہ و خجل ہوئے یہاں تک کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ بادشاہ نے اس بہتان و افتراء کی پاداش میں نجم الدین صغریٰ کو اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت بہاؤ الدین زکریا کو منصوب کر دیا۔ اسی عہدہ جلیلہ پر آپ کے خاندان کے مختلف افراد فائز ہوئے۔

آپ مہر و وفا، جو دوسخا، محبت و مودت کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ انہیں خصائل حمیدہ کی وجہ سے حضرت بابا مسعود فرید الدین گنج شکر آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت شیخ نے کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا:

”میان ما و شما عشق بازی نیست“

اسرار الاولیاء میں حضرت بابا صاحب سے مروی ہے کہ ایک روز میں اور برادر م بہاؤ الدین زکریا ایک مقام پر بیٹھے سلوک کی باتوں میں محو تھے کہ اچانک آپ کھڑے ہو گئے اور آہ و بکا شروع کر دی اور پھر:

إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔

میں نے پوچھا کہ کیا؟

فرمایا کہ اٹھ کر دیکھو!

میں نے دیکھا کہ حضرت سعد الدین حمویہؒ کا جنازہ مسجد کے سامنے پڑھ رہے تھے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ حضرت سعد الدین حمویہؒ کی روح اسی روز قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کو شوق سماع نہ تھا، لیکن اتباع مرشد میں شراب سماع کے چند جرے پی لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قوال ملتان میں آیا اور ان کی خدمت میں بسا اوقات حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: اچھا بھئی! جب آپ عشاء کی نماز پڑھ کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ تلاوت کے بعد آپ ایک حجرے میں تشریف فرما ہوئے اور عبداللہ قوال سے کچھ سنانے کے لیے فرمایا۔ اس نے مندرجہ ذیل بیت کی تکرار شروع کر دی:

مستاں کہ مئے ناب خورد

از پہلوی خود کباب خوردند

یہ سن کر آپ پر کیفیت طاری ہوگئی اور کئی گھنٹے تک متکیف رہے۔ صبح ہوئی تو قوال کو ایک خلعت فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

آپ کو اکثر مولانا فخر الدین ابراہیم عراقی کے پُرسوز اشعار سے کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک رات آپ عراقی کے کمرے کے پاس سے گزرے تو اسے اپنے مندرجہ ذیل اشعار گنگناتے ہوئے سنا:

دوختیں بادہ کاندِر جام کردند
ز چشم مست ساقی دام کردند
چوں خود کردند رزِ خویشتن قاش
عراق را چرا بدنام کردند

غزل کا مقطع سنتے ہی حضرت بہاؤ الدین زکریا کی حالت دگرگوں ہوگئی اور بہت دیر تک آپ پر وجد و کیفیت طاری رہا۔ یوں بھی اکثر وادی استغراق کی سیر کرتے رہتے اور اسی حالت پر مہینوں اکل و شرب کی پرواہ نہ رہتی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ عالم استغراق و تحیر میں اس درجہ کھو گئے کہ ایک ہفتہ تک طعام و کلام تک نہ فرمایا۔ ساتویں روز آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو دُر شہوار کی شکل اختیار کر جاتے۔ متوسلین نے انہیں جمع کیا۔ افاقہ کے بعد حضرت سے کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے بحر بیکراں میں غوامی کر رہا تھا اور اسی ذات بابرکات کے جمال و کمال سے میری آنکھیں نم آلود تھیں۔ اسی لیے جو آنسو نکلتا وہ دُر شہوار کی شکل اختیار کر جاتا تھا۔

عبادت و ریاضت میں کلام اللہ کو ست اولاد پر ترجیح دیتے تھے اور اس کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک دن آپ حلقہ مریداں میں تشریف فرما تھے، فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے؟“

خلفاء اور حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی۔ چنانچہ آپ اٹھے اور رکعت کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں سارا قرآن مجید ختم کر دیا۔ بلکہ چار پارے مزید تلاوت فرمائے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ اہل درد و محبت سے حاصل کیا ہے، عملی شکل میں خلق خدا کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یہ سب رب العزت کا فضل و کرم ہے۔

”میں نے جس کام کو سرانجام دینے کا ارادہ کیا ہے وہ بفضلہ پایہ تکمیل کو پہنچا“

وصال:

مورخین نے آپ کے وصال کے شہور و سنیں اور دن بہ اختلاف لکھے ہیں۔ راحت القلوب میں سن وفات ۶۵۶ ہجری مگر تذکرہ علماء ہند میں ۶۶۱ ہجری ہے۔ مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ ہجری اور سفینۃ الاولیاء میں ۶۶۶ ہجری مرقوم ہے۔ سوائے محمد قاسم فرشتہ کے یوم وصال پر سب اتفاق کرتے ہیں، یعنی ۷ صفر المظفر۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وصال کے دن آپ یاد حق میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ والے بزرگ نمودار ہوئے جنہوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت صدر الدین عارفؒ کے ہاتھ میں ایک سر بمبر خط دے دیا۔ حضرت صدر الدین عارفؒ خط کے عجیب و غریب عنوان اور ماضیہات کو پڑھ کر بہت متعجب ہوئے۔ وہ خط کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے۔ خط کو پڑھتے ہی حضرت شیخ کی روح ملاء اعلیٰ کے نورانی جھولوں میں جھولنے لگی اور حجرے سے آواز آئی:

وَصَلِّ الْحَبِيبُ إِلَى الْحَبِيبِ.

روست بدوست رسید

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ یہ آواز سن کر دیوانگی کے عالم میں حجرے کی طرف دوڑے اور دیکھا کہ آواز حقیقت بن چکی تھی۔

ملفوظات۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر میں ہے کہ جس وقت حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا وصال ہوا تو باوا صاحبؒ کو غش آگیا اور بہت دیر تک بیہوشی کے عالم میں پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا:

میرے بھائی بہاؤالدین زکریا کو اس فنا کے بیابان سے بقا کے شہرستان میں لے گئے اور پھر اٹھ کر مریدوں کی معیت میں نمازِ غائبانہ ادا کی۔ آپ کا مزار پُرانوار ملتان شریف میں ہے جو مرجع خواص و عوام ہے۔

تعلیمات:

اپنی سادہ اور پاکیزہ زندگی میں آپ نے اپنے مختلف متوسلین اور مریدین کو بہت سی پند آموز اور حقیقت افروز وصیتیں فرمائیں جو آپ کی صوفیانہ تعلیمات کی مظہر ہیں۔ ان وصایا اور خطوط میں سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

بندہ پر واجب ہے کہ وہ بندگی پروردگار میں صدق و اخلاص کو اپنا شعار بنائے۔
 مساواء اللہ کے تصور کو مٹانے اور عبادت و اذکار میں غیر اللہ کی نفی کرے۔ ایسا کرنے میں بندہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست کرے اور اپنے اقوال و افعال میں محاسبہ نفس کرے۔ گفتگو سے حتی الامکان احتراز کرے، ضرورت کے سوا بات کوئی نہ کرے۔

دلِ زپرِ گفتنِ بمیر و در بدن

گرچہ گفتارش بود درِ عدن

(فریدالدین عطار)

ہر کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے استعانت پروردگار اور استمداد کردگار

کرے اور اسی سے توفیق عمل کا طالب ہونا چاہیے۔ اپنے ایک مرید کو ایک خط کے ذریعے ہدایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو حرزِ جان بنا لو، کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے اور محبت اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ محبت ایک ایسی آگ ہے جو دل کی تمام آلائشوں کو جلا دیتی ہے اور جب راسخ و استوار ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدے کے ساتھ ذکر فی الواقعی ذکر ہوتا ہے۔ اسی ذکر کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بھجوائی:

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

فلاحِ دارین کا وعدہ فرمایا ہے:

پھر فرماتے ہیں: مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرے۔ ماسوا اللہ کو حریمِ دل میں نہ آنے دے، بلکہ ان سے میل و ملاقات کو حرام سمجھے۔ ہر وقت یادِ حق میں مستغرق رہے، کیونکہ جس شخص کو ذکرِ حق سے موانست نہ ہوگی وہ محبتِ الہی کی بُو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ آپ اپنے ہر مرید اور متوسل کو اس بات کی تلقین فرماتے کہ بدن کی سلامتی کم خوری میں ہے۔ روح کی سلامتی ترکِ معصیت میں ہے اور دین کی سلامتی سید عالم و عالمانِ رحمت کون و مکان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے میں ہے۔

مناجات:

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی کم از کم رکعتیں چار ہونی چاہئیں، اور زیادہ سے زیادہ جتنی کوئی پڑھ سکے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر دو رکعت کے بعد تھوڑا سا آرام کرے اور چند تسبیح و تہلیل و استغفار اور صلوة و سلام پڑھنے کے بعد یہ مناجاتِ مخلص و بحضور دل پڑھے۔

بادشاہ! بی نظرِ رضاء و رحمت بما نگر! خداوند! ظاہر و باطن مارا اور طلبِ رضائے خود جمع دار! تفرقہ پریشانی و سرگرانی از راہ ما و از راہِ مسلماناں بدور دار! عفو و عافیت را قرینِ وقت ما کن!

عنایت و رعایت را سابق و قائمہ کر دیاں! مارا بدست تفرقہ مابا زمدہ! مارا بما باز
گلازار! مارا از شرمانگا ہداز کار مادکار آں ہمہ مسلماناں و رعافیت و در رجائی خود با صلاح آرا!
کرده مارا در گزار و آسنده مارا انگا ہدار!

ہرچہ بہ بندہ بخشی دینی، بارضائی خویش قرینی بخش مارا بغیر خویش مخدول مکن!
مارا بدوں خود مشغول مکن! مارا از خود معزول مگرداں اگر پرسی جتی ندارم دگر یسوزی طاقت
نیارم، از بندہ خطاء و زلت است و از تو ہمہ عطاء و رحمت، اے قدیم نم بزل و الے عزیز بے
بدل۔

اللَّهُمَّ أَصْلِحْنَا وَ أَصْلِحْ فَسَادِ قُلُوبِنَا إِلَى آجِدَهُ
رہردان جادہ طریقت کو آپ یوں نصیحت فرماتے تھے:

طریقت کے پرخار راستہ پر گامزن ہونے سے پہلے یہ لازم ہے کہ طالب حظوظ
نفسانیہ خواہشات دنیوی کو ترک کر دے۔ جب انسان دنیا کے اشتغال میں منہمک رہتا ہے
تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ انسان کی زندگی کا مقصد ہی عبادت الہی ہے،
عبودیت اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور وہ بھید درجہ تقرب ہے۔ انسان کی
تخلیق مصلحت کے لیے ہوئی، لیکن چونکہ درمیان میں ایک پردہ ہے اس سبب سے وہ اللہ
تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو شہوت و خواہش کا گھر ہے اور یہی
چیز حجاب کا اصلی سبب ہے۔ چنانچہ آنکھ کی شہوت دیکھنے میں، کان کی سننے میں، ناک کی
سونگھنے میں، خلق و کام کی ذوقِ اشیاء میں، زبان کی بولنے میں، بدن کی خوراک و استراحت
میں اور دل کی شہوت اندیشہ بانی میں گونا گوں میں مضمر ہے۔

انسان میں اصل چیز دل ہے۔ جب دل اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو تمام بدن کی
اصلاح ہو جاتی ہے۔ دل بھی موت و حیات سے دوچار ہوتا ہے اور اس کی اپنی جداگانہ

زندگی و موت ہے جو دل لذت و شہوات اور ماکولات مشروبات کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے وہ غفلت، ستاہل اور تکاسل کا مسکن بن جاتا ہے اور اس پر وساوسِ شیطانی کا غلبہ اور استیلاء ہو جاتا ہے اور اس میں اندیشہ ہائی گونا گوں دخیل ہو جاتے ہیں، غیر اللہ کا خیال دل کو تیرہ وتار کر دیتا ہے۔

جب دل پر تیرگی و سیاہی مستولی ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بعینہ زمین شور کی سی ہو جاتی ہے، جو بیج قبول نہیں کرتی تو لوگ اُسے ”زمین مردہ“ کہہ کر پکارتے ہیں، لیکن جب تعلق دینوی دل سے زائل ہو جائے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے خالی ہو جائے اور بندہ ذکر و تلاوت میں ہمہ تن مصروف ہو جائے تو اس کا دل نورِ ذکر سے زندہ اور مستفید ہو جاتا ہے۔

لہذا اصل کام صلاحیتِ دل ہے۔ صلاحیتِ دل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان اپنے باطن کو تمام زمام و خباثت سے پاک نہ کرے۔ زاویہ دل کو غش و غل، بغض و ریاء، حرص و آرز، کبر و نخوت، حقد و حسد سے مژہ رکھے اور ایسا کرنے میں انسان کو اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کرنی چاہیے۔ ظاہر و باطن کو طغیان و عصیان باوراثم و بزہکاری سے محفوظ رکھے۔ صغائر اور کبائر سے گریز کرے اور مریدِ کامل کی نشانی یہ ہے کہ کم از کم بیس سال تک بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے نامہ اعمال میں ایک بدی بھی نہ لکھے۔

ایک جگہ لکھتے وقت کہتے ہیں:

خلوت اختیار کرنے کے لیے دس چیزوں کا موجود ہونا لازم و لا بدی ہے جو مندرجہ

ذیل ہیں:

- ۱۔ علم: جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکے اور اسے صحیح خلوت نصیب ہو۔
- ۲۔ اسباب دینوی میں زہد: یعنی دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیے۔
- ۳۔ ہر کام میں نظرِ عقبیٰ کی جانب رکھی چاہیے۔

- ۴۔ خلوت محض سلامتی طبع کی خاطر اختیار کرنی چاہیے۔
- ۵۔ شدت و محنت کسی راحت و نعمت کے پیش نظر اختیار نہ کرے۔
- ۶۔ اپنے آپ کو جمیع خلق سے کمتر و احقر خیال کرنا چاہیے۔
- ۷۔ عمل میں سستی اور مداہنیت نہ کرنی چاہیے کیونکہ فراغت بمنزلہ بلا ہے۔
- ۸۔ اپنی حالت پر تکبر نہ کرنا چاہیے۔
- ۹۔ خانہ دل کو تمام ذمائم سے خالی رکھنا چاہیے۔
- ۱۰۔ ہر اس چیز سے قطع تعلق لازمی ہے جو یا دحق میں مانع ہو۔

خلوت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور نعمتوں کو یاد کرے اور آفرینش زمین و آسمان، جنت و جہنم میں تفکر کرے، خلق میں تفکر کرے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کبھی تفکر نہ کرے۔ اسے اپنا کارساز، کارکشام رازق خالق اور مالک سمجھے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق عبدیت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر انسان کا نفس شمس و قمر کی مانند درختاں و تاباں ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اس حدیث میں حدیث قدسی کا مصداق بن جاتا ہے کہ جب میرا بندہ نقلی عبادت سے میرا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہوں، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ جب اسے یہ مقام یہ تقرب یہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جاتے ہیں تو پھر مقصود حقیقی حاصل ہو جاتا ہے اور یہی دنیا و آخرت میں انسان کے لیے فوزِ عظیم ہے۔

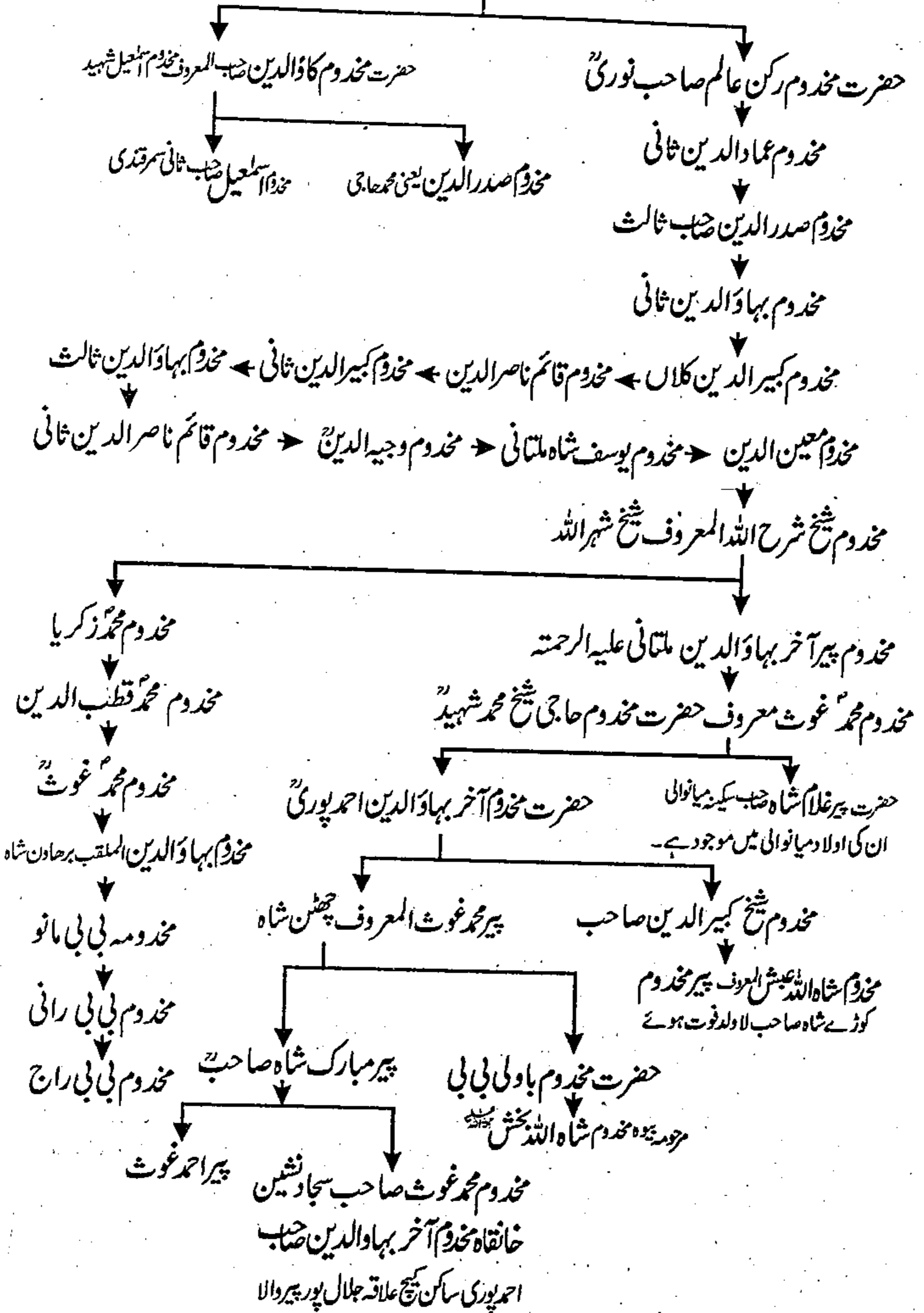
حالات خاندان قریش علاقہ جلاپور پیر والا

بایمائے مخدوم محمد غوث صاحب قریشی الہاشمی ثم کبیرانی سجادہ نشین خانقاہ مخدوم پیر آخر بہاؤ الدین ملتانی ثم احمد پوری علیہ الرحمۃ از اولاد حضرت غوث الملک ملتانی

شجرہ نسب:

حضرت مخدوم بہاؤ الدین صاحب زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ العزیز

مخدوم صدر الدین صاحب عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ



مخدوم بھاؤن شاہ صاحب مرحوم لا ولد فوت ہوئے۔ پھر مخدوم بی بی مانو صاحبہ سجادہ نشین ہوئیں۔ حسب فرمان شاہی مخدوم حاجی شیخ محمد صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند کلاں مخدوم آخر بہاؤ الدین احمد پور شرقیہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے بعد مخدوم بی بی راج متولی رہیں۔ مخدوم آخر بہاؤ الدین کے فوت ہونے پر بی بی راج جو ناکمندا تھیں، انہوں نے ایک لڑکی پالی تھی۔ جب وہ بالغ ہوئی تو حسن شاہ صاحب مرحوم مغفور سے اس کا نکاح ہو گیا۔ اس کے بطن سے شاہ محمود پیدا ہوئے۔ سب حقوق گدی کے شاہ محمود صاحب کو مل گئے۔ یہی باعث ہبہ ہوا۔

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین صاحب احمد پوری علیہ الرحمۃ ہیں۔

شجرہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے حضرت مخدوم اسمعیل ثانی سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مخدوم عماد الدین صاحب ثانی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس خاندان پاک کی اس شاخ میں حضرت مخدوم شرح اللہ صاحب حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اٹھارہویں پشت میں ایک صاحب کمال بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ کے دو فرزند حضرت شیخ محمد زکریا اور حضرت آخر بہاؤ الدین ملتانی علیہ الرحمۃ تھے۔ اول الذکر بسبب کثرت ذکر جہر و لقب بہ زکریا ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک خانقاہ حضرت رکن شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت مخدوم قطب الدین جوان عمر میں دراصل بحق ہو کر اسی مقبرہ عالیہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند حضرت مخدوم محمد غوث کی اولاد میں ایک فرزند حضرت مخدوم بہاؤ الدین اور تین دختر نیک اختر تھیں جن کا نام حضرت مخدوم بہاؤ الدین المعروف بہ پیر بھاؤن شاہ و حضرت مخدومہ بی بی رانی و مخدومہ بی بی راج تھا۔

مخدوم بھاؤن شاہ صاحب کے لا ولد فوت ہونے پر حضرت مخدومہ بی بی مانو جو

بڑی عابدہ، زاہدہ اور پارسا تھیں، آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئیں لیکن پردہ نشین ہونے کی وجہ سے آپ سلسلہ درس و تدریس و تبلیغ و ہدایت کے فرائض کی انجام دہی سے معذور تھیں۔ اس واسطے بادشاہ وقت زمان شاہ والے کاہل نے آپ کے ساتھ آپ کے عمر زاد بھائی حاجی مخدوم شیخ محمد صاحب شہد رحمۃ اللہ علیہ کو سجادہ نشین مقرر کر دیا اور اس ضمن میں لیٹر بمہر شاہی و دستخط خاص ثبت فرما کر آپ کے حوالہ کیا۔

حاجی شیخ محمد صاحب:

آپ کے والد ماجد پیر آخر بہاؤ الدین علیہ الرحمۃ مخدوم شرح الہم کے فرزند اصغر تھے۔ ان کا انتقال اپنے فرزند کی صغیر سنی ہی میں ہو گیا۔ حضرت مخدوم غوث المعروف حاجی شیخ محمد صاحب بڑے عادل و کامل بزرگ ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد و دیگر علمائے وقت سے حاصل کیے۔ خرقہ خلافت سہروردیہ اپنے خاندان سے عطا ہوا۔ آپ کو سیاحت ملا و اسلامیہ کا بہت شوق تھا، چنانچہ اپنے عقیدت مندوں کے ایک بڑے قافلے کے ساتھ حرین شریفین کی زیارت کا سفر بارادہ حج اختیار کیا اور سال ڈیڑھ سال کے بعد بخیریت تمام مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ درگاہ شریف کے اہم معاملات کے الضرام کے واسطے آپ کو دربار کاہل میں بھی جانا پڑا جہاں شاہ وقت نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور جناب کو بلا طلب فرمان شاہی بمہر و دستخط خاص مشعر بہ تقرری سجادہ نشینی و معزولی مخدومہ بی بی مانو صاحبہ عطا فرمایا اور آپ کو تحائف وغیرہ دے کر بصد احترام رخصت فرمایا۔

بلکہ ایک میل تک خود بادشاہ سلامت ہمراہ آئے۔ یہ فرمان شاہی موجودہ سجادہ نشین مخدوم محمد غوث صاحب سجادہ خانقاہ مخدوم آخر بہاؤ الدین صاحب احمد پوری علیہ الرحمہ ساکن کیچ علاقہ جلال پور پیر والا کے پاس موجود ہے۔ گو اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ آیا اس فرمان کی کبھی تعمیل بھی ہوئی یا نہیں۔

حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ ۱۶۰۸ ہجری المقدس میں بموجب فرمان شاہی مستقل سجادہ نشین درگاہ حضرت غوث بہاؤ الحق ملتانی علیہ الرحمہ مقرر ہوئے۔ ریاست بہاولپور میں بھی آپ کے تعلقات گہرے تھے، چنانچہ آپ کی شادی ایک شریف خاندان مغلیہ میں علاقہ ریاست بہاولپور کے شہر احمد پور شرقیہ میں ہوئی۔ اس خاتون پاک کے بطن سے حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین احمد پوری علیہ الرحمہ پیدا ہوئے جو موجودہ سجادہ نشین مخدوم محمد غوث صاحب قریشی کے مورث اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے موضع بیٹ کچھ و کرمونوالی عنایت پور دوچھ سندیلہ وغیرہ میں زمینداری تعلقات پیدا کیے اور سرکاری ریاست میں بھی تجدید پٹہ جات و انعام وغیرہ کرائے۔

حضرت مخدوم حاجی شیخ محمد صاحب علیہ الرحمہ سن رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے مواعظ حسنہ سے سینکڑوں آدمی روزانہ فیض یاب رہتے۔ ارکان برادری آپ کی وجاہت دینی و دنیاوی کی بابت بغض و حسد کا شکار رہتے۔ آپ کا وصال ملتان میں ہوا لیکن عمارت روضہ نامکمل رہی اور اب گر کر بالکل منہدم ہو چکی ہے۔

حضرت مخدوم شیخ محمد صاحب کے وصال کے بعد تعلقات برادری کچھ ایسے کشیدہ ہو گئے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ باعث خوف و ہراس جان و مال اپنے بچوں سمیت اپنے میکہ احمد پور شرقیہ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئیں جہاں سرکار بہاولپور کی جانب سے توجہ خاص ہوئی۔

حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین ملتانی علیہ الرحمہ ۱۱۹۸ ہجری المقدس کے قریب قریب ملتان میں پیدا ہوئے۔ یہاں سے بہاولپور کی طرف ہجرت کرتے وقت آپ کی والدہ ماجدہ منقولہ میں سے سوائے قرآن پاک شجرہ نسب ملفوظات خاندانی و فرامین شاہی کے کسی قسم کی کوئی چیز ہمراہ نہ لے جاسکیں۔

مخدوم صاحب مدوح وقار مستغنی متدین و جہ شجاع۔ متورع۔ گوشہ گزین۔ کم گو

انسان تھے۔ آپ کے مریدین و فلسفین کی تعداد بے شمار تھی۔ چنانچہ بڑے بڑے رؤسائے عظام و زمیندارانِ علاقہ مثلاً اولاد سید جلال الدین علیہ الرحمۃ سادات علی پور شریف۔ اولاد بلنہ راج علیہ الرحمۃ و خاندان قریش از اولاد حمید الدین سادات علاقہ خیر پور میر میں بزرگان چانڈ و خواتین دادا پوترہ وغیرہ آپ سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔ ملک سندھ و بلوچستان میں آپ کی کئی ایک کرامات مشہور ہیں۔ آخر عمر میں آپ چھ ماہ احمد پور میں رہے۔

اور موسم سرما میں موضع بیٹ کچھ علاقہ جلال پور پیر والا میں قیام فرماتے تھے۔ آپ شریعت نبوی کے سختی سے پابند تھے اور گنہگاروں کو بموجب احکام شرعی سخت سزا دیا کرتے تھے۔ دینی و دنیاوی وجاہت بھی بدرجہ اتم تھی۔ جائیداد زرعی کے حقوق کی حفاظت اور آمدنی کی تقسیم کے متعلق دیوان مول راج کے وقت کے کئی فرمان موجود سجادہ نشین کے پاس موجود ہیں۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۲۶۳ ہجری المقدس کو آپ نے احمد پور شرقیہ میں دائمہ اجل کو لبیک کہا۔ صاحب زادگان کا ارادہ یہ تھا کہ آپ کی نعش مبارک ملتان میں دفن کرا کر روضہ اقدس تعمیر کرایا جو اس وقت تک زیارت گاہ خلّاق ہے۔

حضرت مخدوم شیخ کبیر الدین قریشی:

آپ خلف اکبر سجادہ نشین حضرت مخدوم پیر آخر بہاؤ الدین علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۲۵ ہجری کے قریب احمد پور میں ہوئی۔ والد کے زیر سایہ تعلیم پائی۔ رسم دستار بندی بشمول ارکان برادری ضلع ملتان و مریدان اطراف و نواب صاحب بہاولپور ایک بارونق مجلس میں ادا ہوئی۔ تجدید جاگیرات و پٹہ جات کے متعلق نواب صاحب غفران مآب نے آپ کے نام احکام صادر فرمائے۔ اسی طرح افلاک ضلع ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان آپ کے نام پر داخل خارج ہوئے۔ حضرت مخدوم صاحب مخدوم بڑے شجاع، قوی

ہیکل، دراز قد، خوش پوشاک، با زعب اور پابند صوم و صلوة بزرگ تھے۔ مذہباً اہل سنت والجماعت اور طریقاً سلسلہ سہروردیہ میں صاحب ارشاد تھے۔

والد کی رضامندی سے حضرت سید ابراہیم صاحب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ میں بھی منسلک ہوئے۔ جس طرح دینی امور میں صاحب کمال تھے اسی طرح دنیاوی معاملات میں بے حد منظم مدبر اور دور بین تھے۔ سواری کے شائق تھے اور آپ کے اصطلح کی گھوڑیاں آج تک مشہور چلی آتی ہیں۔ رتھ کی سواری بھی کیا کرتے تھے جس کو اعلیٰ قسم کے بھاگ ناڑی بیل کھینچتے تھے۔ مخدومہ بی بی راج صاحبہ کی وفات کے بعد حقوق گدی خانقاہ جات ملتان کا انتظام شاہ محمود کرنے لگے اور اس طرح سجادہ نشینی موجودہ خاندان قریش میں منتقل ہوئی۔ گو بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ کل آمدنی خانقاہ جات چار حصوں پر تقسیم ہو، جس میں سے ایک حصہ مخدوم شیخ کبیر الدین و پیر عاشق شاہ وغیرہ احمد پوری صاحبان و حصہ دوم قریشی صاحبان غوث پور تلمبہ و حصہ سوم مخدومان کبیرانی و حصہ چہارم مخدوم شاہ محمود صاحب معہ برادر خود پیر شاہ صاحب مرحوم مقرر ہوا۔ اس موقع پر جو اقرار نامہ تحریر ہوا، اس کی ایک نقل موجودہ سجادہ نشین احمد پوری شیخ محمد غوث قریشی کے قبضہ میں موجود ہے جس میں ۲۹ مگھر ۱۹۰۶ بکری بمطابق ۲۷ محرم الحرام ۱۲۶۶ ہجری کی تاریخ درج ہے۔ مخدوم شیخ کبیر الدین صاحب علیہ الرحمہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۸۱ ہجری کو رحلت فرما گئے۔

حالات حضرت شاہ اللہ بخش المعروف مخدوم پیر کوڑے شاہ صاحب مرحوم ابن مخدوم شیخ کبیر الدین:

آپ کی ولادت ۱۲۶۵ ہجری کے قریب قریب احمد پور شرقیہ میں ہوئی۔ اس وقت حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین علیہ الرحمہ حیات تھے۔ حضرت نے دعا فرما کر گھٹی دی اور اپنا لب مبارک بھی چٹایا۔ آپ حسن میں یکتا، سخاوت میں بے عدیل، سیرت و صورت

میں بے مثل، متدین، بردبار صاحب سبطت و ہیبت شجاع اور زور آور انسان تھے۔ آپ کے حالات اخلاق و کمالات خوارق عادات بے شمار ہیں۔ ان کی فیاضی شہرہ آفاق تھی۔ سائیکلین کا ہجوم آپ کے در دولت پر ہر وقت لگا رہتا تھا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد اندازاً ایک لاکھ روپیہ آپ کے قبضہ میں آیا، جو تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے خیرات کر دیا۔ زور آزمائی کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ ایک گھوڑی کسی کنویں میں جا پڑی۔ لوگ اس کے باہر نکالنے سے عاجز تھے۔ آپ نے دو پختہ رسوں سے گھوڑی کو بندھوایا اور حکم دیا کہ رسہ لوگ شامل ہو کر کھینچیں اور دوسری طرف سے میں کھینچتا ہوں۔ ایسا کیا گیا لیکن آپ کی طرف کا حصہ اوپر آ جاتا اور دوسری طرف کا حصہ نیچے رہتا۔ آپ پھر دوسری طرف تشریف لے جاتے اور اس طرف کھینچتے، اسی طرح تیسری کوشش میں گھوڑی باہر نکال لی۔ شکار کا بھی خاص شوق تھا۔ آپ قادر انداز نشانہ باز تھے، اڑتے پرندے کو بغیر شست لگائے مار لینا یا درندہ کو تلوار سے ہلاک کرنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

تفریح کے لیے مختلف قسم کے طیور، مثلاً طوطی، کبوتر، خمرے، مینا، طوطا وغیرہ پال رکھے تھے۔ ہرن، بارہ سنگھے وغیرہ دلچسپی کے لیے موجود تھے۔ اونٹ، گھوڑے، گائے، بھینس وغیرہ کی کمی نہ تھی۔

علم قیافہ میں آپ کو خاص دسترس تھی اور کشف قبور بھی جانتے تھے۔ رحم دلی کی یہ حالت تھی کہ ایک کتیا بچے جننے کے بعد مر گئی۔ معلوم ہونے پر روزانہ اپنے ہاتھ سے دودھ اور چوری ان کو کھلاتے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ بعد عشاء جب ہر ایک مہمان امیر ہو یا فقیر، آرام کرنا چاہتا تو آپ پر قدرت تارقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے آپ کی ریش مبارک تر ہو جاتی تھی۔ آپ کا وصال ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ ہجری کو ہوا۔

فوتیگی سے ایک روز پہلے آپ نے وصیت نامہ بطور تملیک جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ اپنی زوجہ مسماة مخدومہ باولی بی بی بنت پیر محمد غوث المعروف چھٹن پیر کے نام لکھنے

کا حکم صادر فرمایا اور پٹواری کے روزنامچہ میں بھی رپورٹ درج کرائی۔ اپنا انگوٹھا اور مہر ثبت فرمائی، ہر دو تحریرات پر شہادتیں کرائی گئیں اور اپنے کفن و دفن کے متعلق وصیت فرمائی۔

حضرت مخدومہ باولی بی بی صاحبہ:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۸۰ ہجری کے قریب قریب احمد پور شرقیہ میں ہوئی۔ آپ حضرت پیر محمد غوث المعروف چھٹن پیر علیہ الرحمہ کی دختر نیک اختر تھیں۔ خود سائگی میں والد صاحب بمعہ عیال و اطفال توطن پذیر موضع بیٹ کچھ میں ہوئے۔ تھوڑے عرصہ بعد سایہ پدری سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی نسبت مخدوم شاہ اللہ بخش صاحب اپنے عمر زاد بھائی سے نابالغی کے زمانہ میں ہو چکی تھی، بعد میں شادی ہوئی۔ آپ بڑی باحیا، پاکباز، نیک سیرت، صاحب عفت و عصمت، خوش خصال، شیریں مثال تھیں۔ مخدوم صاحب مرحوم آپ کے شوہر نے اپنی کلی جائیداد معہ سجادگی بطور تملیک آپ کو لکھ دی تھی، جس کو حکام وقت نے جائز قرار دیا۔ اول اول آپ کے برادر مرحوم جائیداد کا اہتمام کرتے رہے لیکن وہ بھی دنیاوی معاملات سے اپنے بزرگوں کی طرح محترز و بے نیاز تھے۔ اس لیے تھوڑے عرصہ کے بعد مخدومہ صاحبہ کا برادر زادہ یعنی سجادہ نشین صاحب حال بعد فراغت تعلیم حضرت ممدوحہ مرحومہ کے مشورہ سے آپ کے معاملات کا مختار و کفیل رہا۔

آپ نے ان کو اپنا متبہنی مقرر کر کے سیاہ و سفید کا مالک کر دیا۔ مخدومہ صاحبہ ممدومہ مرحومہ نے انقلاب زمانہ کے تین دور دیکھے، یعنی دوشیزگی، ازدواج اور بیوگی۔ تینوں زمانوں میں آپ کی حالت یکساں نیک روش پر قائم رہی۔ پابندی صوم و صلوة و ادائے امور واجیہ مستحبہ میں کبھی تساہل نہ ہوتا۔ مروّت و اخلاق کا یہ حال تھا کہ ہر وقت عورتوں کا اجتماع رہتا۔ کوئی طالب نقدی کوئی اقسام اناج کی جو یا، آپ بہ خندہ پیشانی ہر ایک کا سوال پورا کرتیں۔

قلندر اور فقراء جو مخدوم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد در دولت پر مقیم رہے، ان کے اخراجات کا بیڑا اٹھائے رکھا۔ مکانات و خانقاہ شریف احمد پور شرقیہ کی مرمت کا خاص خیال رکھا۔ افرادِ برادری اکثر آپ کو تنگ کیا کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کو تکلیف دیتے، لیکن آپ ہمیشہ درگزر فرماتیں۔ آپ کی دعا میں برکت اور اثر تھا، ہر سائل کے لیے دعا فرماتیں اور وہ کامیاب ہو کر واپس جاتا۔ ۱۳۳۵ ہجری میں ایک وقت معہ برادر خود تپ محرقہ میں مبتلا ہوئیں۔ بھائی کا تو بائیسویں دن انتقال ہو گیا۔ لیکن آپ اس مرض سے بچ گئیں۔ ۱۳۳۳ ہجری میں آپ نے اپنے برادر زادہ کو مرید بلوچستان کی طرف بھیجا۔ ان کی عدم موجودگی میں آپ پھر بیمار ہو گئیں۔ بالآخر سجادہ نشین حال کے حق میں تحریری وصیت فرما کر کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۴ ہجری کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور اپنے بھائی کی خانقاہ شریف کے احاطہ میں دفن ہوئیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے برادر زادگان نے جمیع رسومات تجہیز و تکفین کما حقہ ادا کیں۔ وفات اور قتل خوانی کے موقعوں پر گرد و نواح کے معتقدین، معزز زمیندار اور مخدوم زادہ سید محمد رضا شاہ صاحب جیلانی ایم۔ ایل۔ اے نے شرکت فرمائی۔ ایک محفل نامہ بھی تیار ہوا، جس پر مخدوم زادہ صاحب موصوف اور دیگر معززین و خواتین دیرہ جات واجل، مظفر گڑھ، ملتان، ریاست بہاولپور وغیرہ نے دستخط کر کے حضرت مخدوم محمد غوث صاحب کو قابلِ سجادگی قرار دیا۔

سجادہ نشین حال:

”آپ کی ولادت باسعادت“

مخدوم محمد غوث ابن پیر مبارک شاہ ابن پیر محمد غوث المعروف چھٹن پیر ابن حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین احمد پوری علیہم الرحمۃ والغفران کا خانقاہ جات احمد پور شرقیہ و کچھ اس وقت کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۰۹ ہجری کے قریب کچھ علاقہ جلال

پور پیر والہ میں ہوئی۔ اس روز لگاتار بارش ہوتی رہی، اس واسطے آپ کو خود سالی میں سو پیر بھی کہتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت پیر مبارک شاہ صاحب ۱۲۸۵ ہجری میں احمد پور شرقیہ میں پیدا ہوئے۔ خورد سالی میں والد علیہ الرحمہ کے ہمراہ کچھ میں رہائش پذیر ہوئی۔ مولوی محمد ابراہیم مرحوم سے تعلیم حاصل فرمائی۔ نابالغی کی حالت میں سایہ پداری سر سے اٹھ گیا۔ محض توکل پر گزران تھی۔ مریدین خدمت و خبر گیری کرتے ورنہ آپ خود سوال سے محتر زرتے تعلق آزاد، کم گو، باحیا انسان تھے۔

آپ کے متعلق لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جو کچھ زبان مبارک سے فرمائیں ویسا ہی ہوگا۔ ایک شخص درگ قوم کا بستی کچھ میں مقیم تھا۔ اس کے گستاخانہ کلام سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ ایک روز اس کے متعلق سخت غصہ کی حالت میں فرمایا کہ ”تو بھونک بھونک کر مرے گا، تجھے قبر جگہ نہ دے گی، تیری قبر پر گیدڑ دوڑیں گے۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پیرانہ سالہ میں چھ ماہ تک متواتر کھانس کر مرا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قبر پوری نہ اُتری اور اس کی ٹانگوں کو مروڑ کر دفن کیا گیا۔ اس کا سکنی مکان غیر آباد ہو گیا، جہاں رات کے وقت گیدڑ اپنا راگ سنا جایا کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۶ صفر المظفر ۱۳۳۶ ہجری میں بروز پنجشنبہ ہوا۔

سجادہ نشین حال پیر محمد غوث کی ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ کی کوشش اور جانفشانی کی وجہ سے خاص توجہ سے ہوئی۔ قرآن شریف مولوی غوث بخش مرحوم نے ختم کرایا۔ کتب ہائے فارسی تا شاہنامہ فردوسی علاقہ رحیم یار خان میں پڑھیں مگر تکمیل علوم فارسی اپنے استاد مولوی غوث بخش مرحوم کچھومی سے کی اور عربی کی تعلیم مولوی نظام الدین صاحب مرحوم سکنہ احمد پور شرقیہ و مولوی عزیز اللہ صاحب مرحوم و مولوی الہی بخش صاحب سے کی۔ آپ بے حد متوکل، مرنجاں مرنج، خلیق، متواضع اور شریف النفس انسان ہیں۔ عموماً سوال کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، آپ کی صداقت مسلمہ ہے۔ آپ کی شادی ایک شریف خاندان

مغل برلاس مسکونہ احمد پور شرقیہ میں ہوئی۔ آپ کے چار فرزند ہوئے، مگر عالم شیر خوارگی میں فوت ہوئے۔ دو لڑکیاں موجود ہیں۔ عقوان شباب میں آپ نے بحالت خواب حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب گوڑوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کی اور فوراً گوڑہ شریف پہنچ کر شرف بیعت حاصل کی۔

حضرت پیر صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ آپ کی تعلیم باطنی تدریجی طور پر فرماتے رہے اور بالآخر سلاسل سہروردیہ، قادریہ و چشتیہ میں بیک وقت مثال خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

حضرت مخدومہ صاحبہ کی وفات کے بعد قل خوانی کے موقع پر معززین نزدیک و دور کی موجودگی میں حضرت مخدوم پیر سید محمد صدر الدین شاہ صاحب جیلانی دام اقبالہ نے دستار خاندانی جو سلسلہ بہ سلسلہ مخدوم شاہ اللہ بخش کے وقت سے محفوظ چلی آتی ہے، آپ کے سر پر رکھی اور جمیع تبرکات خاندانی عطا فرما کر اجتماع عظیم کے روبرو آپ کی سجادگی کا اعلان کیا۔ بعض افراد برادری جو حقوق سجادگی سے چشم پوشی کر کے جائیداد کو آپس میں بطور حصص غصب کرنا چاہتے تھے، شور و شر مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور عذر داری بصورت مقدمہ دائر کر دی۔ افسر علاقہ نے حقوق سجادگی کا آپ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

جس پر مخالفین برادری نے اپیل دائر کر دی، لیکن صاحب کلکٹر بہادر نے یہ اپیل ۹ اگست ۱۹۲۶ء کو خارج کر دی۔ اس فیصلہ کی نقول سجادہ نشین کے پاس موجود ہیں۔ املاک و حقوق سفرزیر قبضہ ہیں۔ البتہ اراضی کے بارے میں برادر خورد و افراد برادری کی رنجش پر ان کی تجویز تقسیم بر تقسیم کو منظور کر کے قبضہ چھوڑنے پر رضامند ہو گئے ہیں جو آئندہ شاہد جمیع صاحبان بمعہ آپ کے برادر کے سولہ حصوں میں سے سات حصوں پر خود قابض رہیں گے اور نو حصہ آپ کے ملک میں باقی ہوں گے، البتہ سفر سجادگی بغیر تقسیم کے آپ کے زیر تحویل رہے گا کیونکہ وہ سرکاری مد میں شامل نہیں ہے اور اس کا انحصار مریدوں کی خوشی اور مرضی

پر منحصر ہے۔ اخراجات عرس و لنگر، شکست و ریخت خانقاہ شریف معہ مکانات لنگر آپ کے ذمہ ہیں۔

آپ کا حلیہ بصورت ذیل ہے:

قد درمیانہ، داڑھی چھوٹی اور گھنی، سنت شرع کے پابند، مذہب اہل سنت والجماعت، مشرب چشتی قادری۔ آپ صوم و صلوٰۃ و تلاوت کلام پاک و مشاغل پیرانِ عظام کے سختی سے پابند ہیں۔ سیاحت کا بے حد شوق ہے، مطالعہ کتب بالخصوص علم تاریخ کا خاص شغف رہتا ہے۔ ۱۳۲۸ ہجری میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے فیض یاب ہوئے۔ واپسی پر آپ نے چار ضخیم جلدوں میں سفرنامہ غوثیہ تصنیف فرمایا، جن میں سے ایک جلد شائع ہو چکی ہے۔ آپ اپنے خاندانی وقار و تمکنت کے بڑے پابند ہیں۔ اپنے قول کے پختہ ہیں اور دروغ گوئی سے اجتناب کرتے ہیں۔ سرور سے پرہیز ہے لیکن پیرانِ عظام کے عرس پر یا محفل متصوفین میں گانائیں لیتے ہیں۔ آپ بے حد حلیم الطبع ہیں، البتہ اگر کسی سے کوئی فعل خلاف شریعت سرزد ہو تو سخت ناراض ہوتے ہیں۔

تخصیص علم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ مولانا عبدالرشید کرمانی سے بھی ”کہ جن کی قبر محلہ کٹڑہ ملتان میں موجود ہے“ علم حاصل کیا۔ بعد میں اکتساب علم کے لیے خراسان چلے گئے۔ سات سال کے بعد وہاں سے بخارا آگئے اور آٹھ سال تک وہاں علم حاصل کرتے رہے۔ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اس عہد کے جلیل القدر محدث مولانا کمال الدین محمد یمنی سے علم حدیث پڑھا۔ وہاں سے بیت المقدس ہوتے ہوئے بغداد آگئے۔ اس مدت میں آپ نے ۱۶۶۱ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ بغداد میں آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سلسلہ تصوف:

بغداد میں آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہوئے اور وہاں صرف سترہ دن ٹھہر کر آپ نے خرقہ خلافت حاصل کیا اور سلسلہ سہروردیہ میں شامل ہو گئے۔ ملتان واپس آ کر آپ نے سارے برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت میں عظیم خدمات انجام دیں اور آپ کے مریدوں نے بھی ملتان سے لے کر کاٹھیاواڑ، دکن سے لے کر سندھ اور پنجاب سے لے کر دہلی تک اس سلسلہ عالیہ کو فروغ دیا۔ اس سلسلے کے لوگوں نے برصغیر میں قرامطہ کے ملحدانہ سلسلے کے خاتمے میں بھی شایان شان خدمات انجام دیں۔ چشتیہ سلسلے کے برعکس برصغیر میں سہروردیہ سلسلہ کے بانی خود حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا اور ان کے مریدوں نے سلاطین کے دربار سے رابطہ استوار رکھا اور سلاطین کو نیکی کی راہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتے رہے۔

اولاد:

حضرت بہاؤ الدین زکریا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے پانچ بیٹے ہوئے۔ شیخ صدر الدین عارف، مخدوم شیخ علاؤ الدین محمد، مخدوم شیخ قدوة الدین محمد، مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور اور مخدوم شیخ برہان الدین محمد۔

دوسری بیوی سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ مخدوم شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا، مخدوم شیخ ضیاء الدین محمد، نور بی بی اور سلطان بی بی المعروف بہ فاطمہ بی بی۔ نور بی بی فارسی کے مشہور شاعر فخر الدین عراقی سے جو ”آپ کے مرید باہناتھے“

بیاہی گئیں۔

وفات:

آپ کی وفات کے بارے میں بھی تذکرہ نویسوں اور مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خلاصۃ العارفین کے مطابق آپ نے ۱ صفر ۶۶۶ ہجری میں وفات پائی۔

سفینۃ الاولیاء، نزہۃ الخواطر، منبع البرکات نے اسی تاریخ کو صحیح مانا ہے۔

مفتاح التواریخ، سرزمین ہند انوار العارفین، آئین اکبری اور مرقع ملتان میں

۶۶۵ ہجری درج ہے۔

جبکہ سوانح سرق، برٹش میوزیم کی فہرست تذکرہ اشعراء اور تذکرہ اولیائے

ہند میں سال وفات ۶۶۱ ہجری درج ہے۔

مقبرہ شیخ:

حضرت شیخ کا مقبرہ ملتان کے مشہور پرانے قلعہ پر واقع ہے۔ ان کے بڑے

صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف مدفون ہیں۔ حضرت شیخ نے یہ مقبرہ اپنی حیات مبارکہ میں اپنے خرچ سے تعمیر کروایا تھا۔

خلفائے شیخ:

شیخ حلال الدین بخاری اُچی، حضرت عثمان مروندی معروف بہ لعل شہباز قلندر،

حضرت خواجہ حسن افغان آپ کے نامور خلفاء میں سے تھے۔

معاصرین عظام:

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر، حضرت خواجہ قطب الدین بختیاراوشی، حضرت

خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی، قاضی قطب الدین کاشانی و

قاضی شرف الدین اصفہانی آپ کے معاصرین عظام میں سے تھے۔

تعلیمات:

شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی

یہاں حضرت شیخ کے وہ ارشادات بیان کئے جاتے ہیں جو مختلف صوفیوں کے

تذکروں یا ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔ ”اخبار الاخیار“ کے مصنف شیخ محدث عبدالحق

دھلوی نے اپنی کتاب مذکور میں ان خطوط کا ذکر کیا ہے جو حضرت شیخ نے اپنے مریدوں کو وقتاً
وقتاً لکھے۔ ان کا انتخاب پیش خدمت ہے۔

حضرت شیخ نے فرمایا:

بندے پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ جل شانہ کی عبادت میں
مشغول رہے تاکہ عبادت اور ذکر وسیلہ سے خدا کے علاوہ ہر چیز کی نفی کر سکے۔ اس کا طریق
یہ ہے کہ احوال کو درست کرے اور اپنے اقوال اور افعال کے بارے میں اپنے نفس کا محاسبہ
کرے، ضرورت کے بغیر بات نہ کرے اور نہ ہی کوئی کام انجام دے اور ہر قول و فعل کے
لیے خدا کے حضور التماس کرے اور نیک کاموں کے لیے اس کی مدد کا طالب رہے۔

آپ نے فرمایا:

روح کی سلامتی گناہوں کے ترک کرنے میں ہے اور دین کی سلامتی نبی کریم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے اور بدن کی سلامتی کم کھانے میں ہے۔ خدا کے ذکر کو اپنے
اوپر واجب سمجھو کہ ذکر کے ذریعہ ہی طالب اپنے محبوب کو پاتا ہے۔

عشق ایک آگ ہے کہ کثافتوں کو جلا ڈالتی ہے اور جب عشق راسخ ہو جاتا ہے تو
اس کے مشاہدے سے ذکر حقیقی انجام پاتا ہے اور یہ ذکر کثیر ہے کہ خداوند کریم نے اس کے
ذریعے فلاح کا وعدہ فرمایا ہے۔

”واذکرو اللہ لعلکم تفلحون“

آپ نے فرمایا:

کہ کریم وہ ہے کہ جس کی طینت اس کے دل کے ساتھ اور اس کا دل سب کے
ساتھ و مساز ہو۔ جسم میں دل کبھی ایک حالت پر نہیں رہتا بلکہ ہر وقت ایک نئی حالت اور تازہ
شکل و ہیبت اختیار کرتا ہے، کبھی حاضر اور کبھی غائب ہوتا ہے۔ کبھی قادر اور کبھی غافل، کبھی
ہوشیار اور کبھی ساکت ہوتا ہے۔ کبھی حالت ذکر میں کبھی عالم، کبھی جاہل، کبھی کافر، کبھی

مومن، ایک وقت میں زیر اور ایک وقت میں زبر ہوتا ہے۔ کبھی نیک اور کبھی بد ہوتا ہے۔

لوگوں کے بارے میں آپ نے فرمایا:

دنیا کے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں:

اول: زاہد، عابد یعنی وہ لوگ جن کا ظاہر بُرا اور باطن اچھا ہوتا ہے۔

دوم: علماء و فضلاء کہ جن کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے۔

سوم: جاہل لوگ کہ ان کا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہوتا ہے۔

آپ کا عقیدہ تھا کہ زہد کے تین حروف ہیں۔

اول:

”ز“ کہ اس سے مراد دنیا کی زیب و زینت کو ترک کرنا ہے۔

دوم:

”ھ“ جو ہوا و حرص کو ترک کرنے سے متعلق ہے۔

سوم:

”ذ“ دنیا اور دولت سے درگزر کرنا ہے۔

آپ کے خیال میں ستم گر کی اس کے ظلم و ستم میں افعال کے وصف میں مدد کرنا

خود ایک ظلم ہے بلکہ جو رجحان کے ساتھ اس کے ساتھ سلوک کرنا ثواب ہے۔

آپ نے فرمایا:

انسان جب بات کرے تو اسے سوچنا چاہیے کہ خدا اس کی بات کو سن رہا ہے اور

جب خاموش رہے تو سمجھ لے کہ خدا اس کے دل کے راز سے واقف ہے۔ اسے جاننا چاہیے

کہ میرا اٹھنا اور بیٹھنا اس کے یعنی خدا کے سامنے ہے۔

آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ تین چیزیں تین لوگوں کے لیے نقصان دہ ہیں:

۱۔ حکام و امراء کے لیے فساد اور دولت مندوں کے ساتھ ہم نشینی کی طمع۔

۲۔ مردانِ خدا کے لیے علماء کا قرب۔

۳۔ فقراء کے لیے ریا۔

آپ نے فرمایا:

آزاد طبع انسان کسی کا غلام نہیں ہے اور جو سب کو عزیز ہو، کہیں ذلت نہیں اٹھاتا۔
بادشاہ وہ ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا اور خدا پرست وہ ہے جو تکبر و نخوت کے جال
میں نہیں پھنستا۔ نیک انسان وہ ہے جو کسی کے ساتھ بدی نہیں کرتا۔ صاحب وقت وہ ہے
جو نہ ماضی پر افسوس کرتا ہے اور نہ مستقبل کے لیے پریشان ہوتا ہے اور اپنے حال میں مست
رہتا ہے۔

حضرت شیخ نے اپنے مریدوں سے فرمایا:

ہر دروازے اور ہر انسان کے پاس مت جاؤ۔ ایک دروازہ پکڑو لیکن مضبوطی سے
اسے تھام لو۔ مرید کو اپنے وقت کا محافظ ہونا چاہیے اور ماسوائے کے اپنے دل کو دور رکھے
اور مخلوق کی محبت کو اپنے اوپر حرام کرے اور خدا کے ذکر سے محبت کرے۔ اگر ایسا نہ کرے تو
سمجھ لے کہ اس نے خداوند کریم کے عشق کی خوشبو سونگھی ہی نہیں۔

آپ کے نزدیک مجاہدہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی نفس آرزو کرے بیس سال تک اس کی
آرزو پوری نہ کرے۔

تعارف:

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی

مرشد

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی

آپ چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی ہجری کے معروف ایرانی عارفوں میں سے ایک ہیں اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی بھی ہیں۔ آپ محمد بن ابی بکر کی اولاد میں سے ہیں۔ مشہور صوفی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی آپ کے چچا تھے۔ آپ ماہ رجب سال ۵۳۹ھ ق/ جون سال ۱۱۴۵ء میں سہرورد کے علاقے میں جوزجان کے قریب ہے، میں پیدا ہوئے۔ آپ بچپن میں صوفی حسن ملکانی سے علم حاصل کرتے رہے، بعد میں ۲۴ سال کی عمر میں بغداد میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ علمائے بغداد نے آپ کو سلطان الحکماء کا لقب عطا کیا۔

روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کئی بار آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو رموزِ باطن اور علومِ طریقت سے بہرہ مند فرمایا۔ شیخ عبداللہ گیلانی و نجم الدین کبراء بہت مشہور ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ مسلک کے لحاظ سے شافعی تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع اور سنت کی کامل پیروی کرتے تھے۔ آپ نے بغداد میں تصوف و طریقت کے اصول اور وعظ کا طریقہ شیخ ابونجیب سہروردی سے سیکھا اور فقہ و فنون ادب دوسرے شیوخ سے

یاد کئے۔ اپنے چچا سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ عزات و خلوت میں جا بیٹھے۔ اگرچہ سہروردی سلسلے کے بانی شیخ ضیاء الدین ابونجیب ہیں لیکن آپ نے اسے ہر جگہ پھیلا دیا۔ آپ شیخ ابونجیب کے بعد ان کے قائم مقام بنے۔

خلیفہ وقت ناصر الدین آپ کا بہت احترام کرتا تھا اور آپ کو دوسرے ممالک میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا کرتا تھا۔ دوسرے بادشاہ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ ہر سال مکہ مکرمہ جاتے اور وہاں سے مدینہ بھی جاتے تھے۔ آپ نے تمام عمر اس طریقہ کو اپنایا۔ آپ دولت کے اعتبار سے اپنے عہد کے تمام عرفا سے زیادہ دولت مند تھے، لیکن آپ نے اس دولت کو غریبوں اور حاجت مندوں پر صرف کیا۔ حج پر ہر سال جاتے اور فقراء کو بھی ساتھ لے جاتے۔ آپ تصوف کے تمام سلسلوں کا احترام کرتے تھے۔ ۶۳۸ھ ق میں جب آپ مکہ پہنچے تو وہاں آپ نے مصر کے مشہور صوفی شاعر ابوالفرد مصری سے ملاقات فرمائی۔

آپ اپنے اصولوں اور اعتقادات میں بڑے سخت تھے۔ آپ اپنے مرشد کی طرح سنت اور آداب کے ظاہری طریقوں کو خوب نبھاتے تھے۔ فلسفیوں سے دور رہتے تھے اور یہ بات اس حد تک پہنچ گئی کہ آپ نے بوعلی سینا کی مشہور تصنیف ”اشقاء“ کو جو فلسفہ سے متعلق ہے، پانی میں پھینک دیا تھا۔

آپ نے خلیفہ وقت ناصر الدین کو بھی فلسفے کی کتابیں جلانے اور ضائع کرنے پر شاباش دی تھی۔

آپ سماع نہیں فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر وہ نعمت جو انسان کے لیے ممکن ہے، شہاب الدین کو دی گئی سماع کے علاوہ۔ آپ بغداد میں صوفیوں کی چند خانقاہوں کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔ ناصر الدین خلیفہ نے آپ کے لیے بغداد میں ایک شاندار خانقاہ تعمیر کروائی تھی، جہاں آپ اور آپ کے مرید رہائش پذیر تھے۔

آپ کا مقام اولیاء و عرفا میں بہت بلند ہے اور ان کے ہم عصر عرفا و فضلاء آپ کے مداح تھے۔ امام یافعی نے انہیں ”استاذ زمانہ، فرید یگانہ، مطلع الانوار، منبع الاسرار، دلیل الطریقتہ، ترجمان الحقیقہ، قدوۃ العارفین و عمدۃ السالکین، العالم الربانی“ قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان کے بارے میں فرمایا:

”اے عمر! تم عراق کے آخری مشہور لوگوں میں سے ہو“

کمال الدین اصفہانی اور شیخ سعدی جیسے معروف شعراء نے ان کی مدح میں

اشعار کہے ہیں۔

سعدی:

مرا پیر دانائی مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روی آب
پکی آنکہ بر نفس خوین مباش
دوم آنکہ بر خلق بد بین مباش

اردو ترجمہ:

میرے دانا مرشد شہاب ہیں۔ انہوں نے کشتی میں مجھے دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ اپنے نفس پر تکبر نہ کرو، دوسرے خلق کی برائی نہ کرو۔

کمال الدین اصفہانی:

شہاب الدین عمر سہوردی ان راہ رو
کہ از مسالک او دیو برخدر یابی

اردو ترجمہ: شہاب الدین عمر سہوردی وہ راہبر ہیں کہ ان کے راستے پر چل

کر شیطان سے بچتے رہو گے۔

آپ کے مشہور مرید یہ ہیں:

کمال الدین اسماعیل اصفہانی
 شیخ نجیب الدین علی بزغش شیرازی
 عبدالسلام شیرازی
 شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی
 عماد الدین ابوطاہر
 سراج الدین حسین ابن شیخ الاسلام
 عزالدین مودود زرکوب شیرازی
 برصغیر میں ان کے خلفاء یہ ہیں:
 حضرت سخی سرور

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور
 شیخ جلال الدین تبریزی

آپ نے خلیفہ المستنصر باللہ عباسی کے عہد میں بروز بدھ اول محرم سال ۶۳۲ھ
 ق/ (۱۲۳۳ء) کو بغداد کے شہر میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائیں۔
 آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

عوارف المعارف (تصوف و عرفان کی مشہور کتاب)

بجۃ الابرار

جذب القلوب الی موصلۃ المعیوب

اس کے علاوہ تذکروں میں آپ کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

قسم اول:

شیخ الاسلام قطب العالمین مخدوم شیخ جلال الحق والشرع والدین بخاری قدس سرہ

العربیہ کے ملفوظات سے نقل کی گئی ہے۔

قسم دوم:

شیخ الاسلام شیخ فرید الحق والشرع والدین گنج شکر قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات سے نقل کی گئی ہے۔

قسم سوم:

شیخ الاسلام سلطان الاولیاء شیخ نظام الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات سے نقل کی گئی ہے۔

اور

ان کو خلاصۃ العارفین کا نام دیا گیا ہے۔

خلاصۃ العارفین کا آغاز شیخ الاسلام قطب العالمین مخدوم سید جلال الدین بخاری قدس سرہ العزیز کے ملفوظات سے نقل کیا گیا ہے۔ جنہوں نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت کی تھی اور مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا نے شیخ جلال الدین بخاری کی تربیت کی تھی اور ان کی صفات کی ترقی اور تزکیہ باطن کیا تھا۔

قسم اول:

ملفوظات حضرت شیخ الاسلام سید جلال الدین بخاری:

شیخ جلال الدین اپنے مرشد کے احوال کا ذکر شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ، مولانا مخدوم شیخ الاسلام غوث العالمین شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ولادت ۲۷ رمضان المبارک سن ۵۶۶ ہجری کو کوٹ کروڑ کے گاؤں میں، جو دیپال کے علاقہ میں تھا، ہوئی۔ یہ لیلۃ القدر تھی، جمعہ کی رات کو صبح کا وقت تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی والہ کا دودھ عید الفطر تک نہیں پیا اور ان دنوں میں روزے سے رہے۔

مخدوم شیخ بہاؤ الدین کی والدہ محترمہ کا نام حضرت بی بی فاطمہ بنت شیخ عیسیٰ تھا۔ شیخ کو بعض کتابوں میں شیخ احمد اور شیخ محمد بھی لکھتے ہیں۔ بن شیخ عبداللطیف بن شیخ محمد بن شیخ

عبداللہ احمد بن شیخ جعفر بن شیخ محمد احمد بن شیخ الاسلام قطب العالمی غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر الحسینی والحسینی جیلانی اور بعض لوگ گیلانی کہتے ہیں۔ یہ دونوں لفظ لقب سے متعلق ہیں۔ مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا شیخ عیسیٰ کے نواسے تھے اور ہمارے شیخ حسب نسب کے اعتبار سے عرب کے رؤساء سادات اور اشراف میں سے تھے۔

اور اپنی حیثیت کے اعتبار سے قریشیوں میں سے تھے اور قریشی ہونے کے ناطے ان کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، پھر قصی ابن کلاب سے جا ملتا ہے اور قصی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد ہیں۔ قصی کے فرزندوں میں سے عبد مناف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہیں اوپر کے سلسلے میں۔ ہمارے مشائخ کرام سے عبدالعزیز تک بیس پشتیں ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قصی تک پانچ پشتیں۔ القاب کے سلسلے میں ہماری بیان کردہ توجیہ مناسب ہے، میں نے حضرت شیخ صدر الدین کا لکھا ہوا ایک مکتوب دیکھا جس میں انہوں نے شیخ بہاؤ الدین کے نسب کو یوں بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا بن شیخ محمد غوث بن شیخ ابوبکر بن شیخ جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن شمس الدین محمد بن الحسن بن ہبار۔

ہبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مسلمان ہوئے۔ اس بات کا تذکرہ ابواقدی نے اپنی مغازی میں کیا ہے۔ ہبار کا نسب نامہ اس طرح ہے:

ہبار بن اسد بن المطلب بن اسد بن عبدالعزیز بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب جو تینتیس پشتوں کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ تک جا پہنچتا ہے اور آٹھ پشتوں سے حضرت نوح علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دس واسطوں سے حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔ مجموعی طور پر چھیا سٹھ پشتیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف، بن قصی بن کلاب بن مرة بن کعب ہے۔ یہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تک پہنچتا ہے۔ ان کا نسب نامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے نسب نامے سے جاملتا ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت علی جن کی کنیت ابوالحسنین ہے، ان تمام حضرات کا نسب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے ملتا ہے اور یہ سب حضرات قریشی ہیں اور ان سب کے جد امجد کعب بن لوی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کے لحاظ سے سب سے قریب حضرت عثمان ہیں، پھر حضرت ابوبکر کا نام آتا ہے۔ بعد ازاں حضرت عمر ہیں اور حضرت علی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمر زاد ہیں اور تمام قریش خضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔ قصی اور نفر کے درمیان سات پشتیں ہیں۔ کنانہ کے بیٹے نفر کو قریش کہا گیا، یہ نسبت اس پر لاگو ہوتی ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جسے قریش کا نام دیا گیا تھا۔ یہ بات ”المغرب“ نامی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، قریش اسم تصغیر ہے۔

قریش سمندر کا ایک عظیم الجثہ جانور ہے جو کشتیوں سے اٹھکیلیاں کرتا ہے اور اسے آتشیں اسلحے کے بغیر مارنا ناممکن ہے۔

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا، قریش کو قریش کا نام کیوں دیا گیا۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کو جواب دیا، قریش نامی جانور کی وجہ سے کیونکہ وہ سب جانوروں کو کھا جاتا ہے، اسے کوئی جانور نہیں کھا سکتا۔ وہ سب جانوروں پر غالب رہتا ہے اور کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ شاخ کا شعر ہے:

قریشی لھی التی تسکن البعر
بھاسمت قریش قریشاً

قریش وہ جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اور اس جانور (کی طاقت کے حوالے) سے قریش کو قریش کہا گیا۔ یہاں تصفیر بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے آیا ہے اور یہی بتایا جاتا ہے کہ قریش کا لفظ قرش سے نکلا ہے جس کا معنی کسب و آموزش ہے کیونکہ اہل قریش اپنی تجارتی ساکھ، مختلف ملکوں میں کاروباری محرک اور مال تجارت میں تیزی کار حجان پیدا کرنے کے لحاظ سے بہت کسب کرنے والے تھے اور قریش جمع ہے۔

فہر کی اولاد میں سے مختلف خاندانوں کو ایک ہی شاخ میں جمع کرنے کی وجہ لفظ قرش کا اطلاق کیا گیا۔ باب تفصیل کے وزن پر تفرش کا لفظ جمع کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ قریش پر اس کا اطلاق اس لیے کیا گیا، کتاب مفصل کی شرح موالید میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔ ابن فارس کی کتاب الجمل میں اس لفظ کی تشریح یوں کی گئی ہے۔ قریش سمندری جانور ہے جو سمندر کے تمام جانوروں پر غلبہ رکھتا ہے۔ ہمارے مشائخ قریشی ملتانی سہروردی ہیں جو سلسلہ بیعت کو جمع کرنے میں کعب کی اولاد ہیں۔

محمد بن زکریا ارادت کے ساتھ اپنے والد ماجد کے پاس رہے اور ان کا سجادہ آپ کو ملا۔ وہ ابا بکر کے ساتھ، ابا بکر علی کے ساتھ، علی ابن محمد و ابن الحسین کے ساتھ، وہ شیخ شبلی کے ساتھ، شبلی حسن بصری کے ساتھ اور حسن بصری حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہے اور حضرت علی حضرت رسالت پناہ کے ساتھ رہے اور یہ سجادہ دونوں جانب سے ملتا ہوا ہمارے شیخ کے خاندان اور سلسلے کو نصیب ہوا۔

(۱) بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ بہاؤ الدین زکریا کے والد ماجد قرآن مجید پڑھتے تھے تو آپ اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے اور ساری توجہ کے ساتھ کان اس آواز پر دھرتے تھے۔ جب آپ سات سال کے ہو گئے تو سارے قرآن حکیم کو تمام قرأتوں اور مکمل وجوہات قرآن کے ساتھ قاریوں کی طرح پڑھتے تھے۔

اس کے بعد ۴۰ سال تک آپ نے مدرسہ عالم میں تمام علوم ظاہری و باطنی کا مطالعہ کیا، حتیٰ کہ آپ کے پاس دو ہزار کتابیں جمع ہو گئیں۔

آپ نے ۶۶۶ ماہر اساتذہ سے کہ جو اطراف عالم و اکناف ارضی و آفاق اور شہروں میں علم ظاہر و باطن میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی متابعت اور شریعت کی متابعت میں مشہور تھے۔ علم حاصل کیا اور یہ علوم ظاہری اس طرح سیکھے، بعد میں بیس سال تک آپ نے مجاہدہ کی ریاضت اختیار کی۔

(۲) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے مخدوم شیخ بہاؤ الدینؒ سے پوچھا کہ آپ اپنے مجاہدے کی کہانی مجھے بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: مجاہدے کے بارے میں بیان کرنا زبان کے بس کی بات نہیں، لیکن مبتدیوں کے کہنے مجاہدے سے تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ اس فقیر نے مکمل بیس سال تک تھوڑے سے پانی اور معمولی سے کھانے کے ساتھ روزہ افطار کیا۔ یہ مجاہدہ کمینہ ہے، اس کے بعد دس سال تک میں نے مجاہدہ مردانہ کیا کہ میں نے ہر رات ایک یادو گائیں موٹی تازی بغیر کھال کے ان کی ہڈیوں اور پچھلے حصے کے خون کے علاوہ بہت سامیدہ اور اڑھائی کلو گھی ان کے گوشت میں ڈال کر کھایا اور دس سال تک انسانی حاجت روائی کا تکلف بھی نہیں کیا۔

میں نے جو کھایا سب تندور میں ڈال دیا۔ سب کچھ جل گیا، حتیٰ کہ تندور میں موجود لکڑی بھی جل کر خاکستر ہو گئی اور کچھ باقی نہ بچا۔ میں اسی طرح رہا، جو کوئی بھی محبت کی آگ میں جل جائے گا کچھ ظاہر نہ ہوگا۔ لیکن اُسے عبادت کی استقامت حاصل ہوگی۔ پہلا مجاہدہ نور کھانے کا ہے اور وہ نور حضوری سے حاصل ہوتا ہے کہ نہ پہلے اور نہ بعد میں اس کا کوئی تقاضا ہوتا ہے۔ احتیاط کے طور پر وضو کرتا تھا۔ یوں انسانی حاجت کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ میں نے یہ کمینہ مجاہدہ

تمہارے سامنے بیان کیا۔ اس سے بھی بڑے مجاہدے ہیں کہ انہیں سن کر سننے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ پھر میں نے کعبۃ اللہ کی نیت سے سفر کیا اور جو قدم بھی میں نے رکھا، پہلے اللہ کے شکرانے کے دو نفل ادا کئے پھر دوسرا قدم رکھا۔

بیان کرتے ہیں۔ مجاہدہ کیا ہے؟

شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین نے فرمایا: مجاہدہ وہ ہے کہ جو کچھ بھی نفس آرزو کرے بیس سال تک اس کی وہ آرزو پوری نہ کی جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تیس سال ہونے کو ہیں، مبتدیوں کے کمینے مجاہدے کو جس کو میں نے تمہارے سامنے بیان کیا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ابھی تک میں نے کچھ نہیں کیا۔

کیونکہ مبتدیوں کے نزدیک یہ ہیج در ہیج ہے کہ انہوں نے ستر سال تک نفس کو پانی اور کھانا نہیں دیا ہے اور نفس کو عذاب میں ڈالا ہوا ہے اور میں نے یہ ظاہری مشقت خداوند کعبہ کے احترام کی محبت میں مجاہدہ کے لیے کی۔ حتیٰ کہ میں کعبۃ اللہ پہنچ گیا۔ میں نے حج ادا کیا۔ عرفات میں میں نے عظیم خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور تین سال تک ان کی خدمت میں رہا اور علم، تعلیم اور وراثت کے بارے میں ان سے استفادہ کیا۔

پھر نیا احرام باندھ کر حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ منورہ اور ریاض مطہرہ کی زیارت کی اور تین سال تک ظاہر و باطن کے مشاہدے میں لگن رہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سلطان العارفین و امام المحبوبین، قطب العالمین غوث الثقلین شیخ شہاب الدین سہروردی کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا، پھر میں نیا احرام باندھ کر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوا۔

(۳) سید جلال الدین بخاریؒ اپنے ملفوظات میں بیان کرتے ہیں:

کہ میں اور میرے مرشد شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ایک جگہ اکٹھے تھے کہ سلوک کی بات درمیان میں آگئی۔ شیخ بہاؤ الدین نے کہنا شروع کیا کہ جب میں سمرقند میں مسافر تھا، وہاں سمرقند سے باہر ایک غار تھا۔ میں نے اس غار میں ایک دیوانے کو دیکھا جو اصلانِ حق تعالیٰ میں سے تھا لیکن دریائے محبت الہی میں غرق تھا۔ میں دو سال تک اس کی خدمت میں رہا، جب وہ بزرگوار عالم شہود میں آئے میں نے اپنا سر زمین پر رکھا۔

انہوں نے فرمایا:

سر اٹھاؤ کہ خوب آئے اور تم نے بہت رنج اٹھائے لیکن درویشوں کی خدمت دونوں جہاں کی سعادت ہے۔

پھر فرمایا:

اے بہاؤ الدین سنو!

آج تقریباً تیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ یہ درویش تجلی کے سمندر میں غرق ہے اور حال اور آئندہ کی خبر نہیں رکھتا۔

لیکن آج دوست کے فرمان کے تحت تمہارے لیے اس دنیا میں واپس لوٹا ہوں اور تم سے ہمکلام ہوں، لیکن اے عزیز! جان لو کہ درویش کے لیے کوئی رات مخلوق کے نزدیک ہوتا ہے اسی قدر حق سے دور ہوتا ہے۔ اس نے یہ کہا اور اپنا مصلامیری طرف پھینک دیا۔ وہ زمین سے اٹھا اور سونے کے کچھ دینار مجھے دے کر کہنے لگا: تم نے لمبے سفر پر جانا ہے، یہ زادِ راہ ہے۔ اسے مصرف میں لانا ہے۔ اس نے یہ کہا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا، میں واپس ہوا اور پھر بغداد پہنچا۔

وہاں میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ روحہ کی خدمت میں پہنچ کر اپنا

سرزمین پر رکھا۔ انہوں نے فرمایا: خوش آمدید! خوب آئے۔ ”اے دونوں جہانوں کے نیکوکار“ میں نے پھر اپنا سرزمین پر رکھا۔ انہوں نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا اور سلوک کے بارے میں بات شروع ہو گئی۔

شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابوالنجیب الدین کبریٰ سہروردی کی خدمت میں تھا اور شیخ نے مجھے اپنی خلوت میں جگہ دے رکھی تھی۔ میں وہیں پر تھا کہ اچانک ایک رات ایک شخص جس کی داڑھی سفید تھی۔ اہل صفا کے کپڑوں میں جو پاکیزہ اور خوشبو سے اٹے ہوئے تھے، ظاہر ہوا۔ یہ شخص بوڑھا تھا۔ میں نے اُسے سلام کیا۔ اس نے مجھے کہا: ”اے شہاب الدین! اندر جا کر شیخ الاسلام ابوالنجیب الدین کبریٰ کو ادب سے میرا سلام کہو اور کہنا: کہ عظیم خضر علیہ السلام آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔“

شیخ شہاب الدین کہتے ہیں میں اسی طرح اندر چلا گیا اور سلام پہنچایا۔ شیخ نے کوئی توجہ نہ کی اور میں باہر آ گیا۔ خضر علیہ السلام نے دوسری بار پھر مجھے اندر بھیجا۔ میں نے جا کر سلام پہنچایا۔ شیخ نجیب الدین نے کوئی توجہ نہ کی حتیٰ کہ صبح صادق ہو گئی۔ خضر علیہ السلام نے الوداع کیا اور مجھے کہا کہ ہمارا سلام بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ شیخ نجیب الدین کو پہنچا دینا اور کہنا کہ خضر علیہ السلام بڑی آرزو کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا تھا، اب وہ چلا گیا ہے۔

پھر میں نے شیخ کو ان کا سلام پہنچایا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یا شیخ! میں تین بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خضر علیہ السلام تمام رات آپ کی خلوت کدہ کے دروازے پر کھڑے رہے، آپ نے کوئی توجہ نہ کی جبکہ وہ نبی ہیں اور تمام اولیاء اور عاشقوں کے سلطان ہیں۔ انہوں نے مجھے جواب دیا کہ اے بیٹے!

یہ اچھی بات نہیں ہے کہ کوئی خداوند مالک الملک کی ملاقات اور مشاہدے میں مشغول ہو اور منہ پھیر کر بندوں کی طرف توجہ کرے اور بندوں سے باتیں کرے۔ یہ اچھی بات نہیں، لوگ جتنا مخلوق کے نزدیک ہوتے ہیں اسی قدر خالق سے دور ہوتے ہیں۔

اے بیٹے!

میں اس وقت عالم تجلی میں متفرق تھا اور جہانوں کے رب کی مناجات میں مشغول تھا اور یہ اچھی بات نہیں ہے کہ جہانوں کے رب کے مشاہدے سے ہٹ کر بندوں کے مشاہدے، لڑائی جھگڑوں یا بات چیت میں مشغول ہو جائے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے کہنا شروع کیا کہ اے بہاؤ الدین خوب آئے۔

دس سال ختم ہو گئے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ الاسراء ہی کی رات کے قریب مجھے معراج پر لے جایا گیا۔ اس رات میں نے عرش کے نیچے قدسیوں، ملائکہ اور حاملان عرش کو دیکھا کہ ایک آدمی قمیص اور ٹوپی کو سر پر رکھے رقص کر رہا ہے۔ میں نے اس کی آواز سنی کہ اس آواز سے اللہ کا ذکر سنائی دیتا ہے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

جبرائیل علیہ السلام کچھ نہ بولے تا کہ مجھے حضرت ذوالجلال وقادر کی طرف سے دلیل حاصل ہو۔ ندا آئی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ قمیص اور ٹوپی میرے ایک خاص بندے کی ہے جو تیرا اُمتی ہوگا۔ آخر زمان پیدا ہوگا اور یہ اس کا لباس ہے اور اس کی روح کئی ہزار سالوں سے اس پیراہن میں ہے کہ روز میثاق الست کی آواز سننے سے محبت الہی میں متفرق ہوئی اور اب تک اس کی روح اس ذکر میں غرق ہے۔

اس کا نام شیخ بہاؤ الدین زکریا ہے۔ مجھے تیرا یہ نشان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجاہدہ، توفیق الہی اور بے انتہا ریاضت سلوک سے چراغ کا تیل اکٹھا کیا اور مہیا کیا ہے اور اس چراغ میں اسے ذوالجلال کے کرم، انبیاء کی سنت اور واجبات اور خدائے عظیم کے فرائض کے فضل

کے تحت رکھا ہے اور اس چراغ کی بتی میری شفاعت اور محبت اور ظاہری و باطنی طریق کے احیاء سے متعلق ہوگی۔

اب وہ روشنی جو پاکیزہ ہے، مرشد کے ارشاد سے شعلہ درہوگی تاکہ اس کی شعاعیں خدا تعالیٰ کے بندوں کی دنیا، اصفیا اور موجدان کے آسمان کے اُفق اور زمین کے خزانوں پر پھیلے۔ اب تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد شیخ شہاب الدین نے فرمایا کہ میں شیخ نجیب الدین کبریٰ کی خدمت میں تھا، وہ دن کہ جس دن مجھے خرقہ خلافت عطا ہوا۔ اسی دن اپنا چہرہ میری طرف کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ بے شک یہ خرقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور فرمایا:

سر اٹھا کر دیکھو۔ جب میں نے سر اوپر اٹھایا تو میں نے عرش کو دیکھا اور عرش کے پاس ستر خرقے لٹکے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے شہاب الدین! ان ستر خرقوں میں سے ایک خرقہ ہم نے تجھے دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند متعال کی طرف سے مجھے پہنایا ہے اور عطا ہوا ہے باقی تمام خرقے تمہارے تصرف میں آئیں گے۔ بعد میں شیخ الشیوخ العالم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: آج رات خلوت رکھنا، جو کچھ تم دیکھو، بتانا۔

میں نے شیخ کے فرمان کے تحت خلوت اختیار کی۔ آدھی رات گزری تھی کہ میں نے شیخ کو دیکھا کہ عرش کے نزدیک کھڑے تسبیح کر رہے ہیں۔ یہ دیکھا اور پھر یہ بھی دیکھا کہ میں بھی عرش کی جگہ کے گرد کھڑا ہوں۔ حتیٰ کہ شیخ نے مجھے فرمایا: اے بہاؤ الدین آؤ۔

میں قریب گیا۔ شیخ الشیوخ نے ان ستر خرقوں میں سے ایک مجھے پہنایا اور ٹوپی میرے سر پر رکھ دی۔ میں ان عظیم تجلیات اور بڑے عطیات کی ہیبت سے بیدار ہو گیا۔ میں اپنے حجرے سے باہر نکلا اور وہ ٹوپی بھی اسی طرح میرے سر پر تھی کہ خادم آیا اور بولا کہ شیخ

الشیوخ تمہیں بلا رہے ہیں۔ جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ شیخ نے فرمایا:

دائیں طرف دیکھو، پھر ایک ہاتھ پیدا ہوا اور اس ہاتھ میں ایک خرقة تھا۔ انہوں نے کہا: اے بہاؤ الدین! اس خرقة کو پکڑ لو اور یہ دست مبارک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور یہ خرقة رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر تجھے عطا کیا۔ یہ رات کو دیا جانے والا خرقة جو خداوند متعال کی طرف سے تجھے ملا ہے، عظیم عطیہ اور بڑا کرم ہے اور شیخ الشیوخ نے خرقة مبارک کھول کر اس فقیر کے سر پر رکھا اور فرمایا: عظمت، رحمت اور برکت کے یہ تینوں خرقتے اپنے سر پر رکھ لو۔ یہ خرقتے اس ترتیب کے ساتھ کسی مشائخ تک نہیں پہنچے ہیں اور وہ سجادہ کہ جس مصلا پر شیخ الشیوخ ستر سال تک عبادت حق میں مشغول رہے تھے اور وہ خرقة جو مشائخ کے سلسلوں میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پہنچا تھا، اُسے شیخ الشیوخ نے شیخ بہاؤ الدین کو عطا فرمایا۔

اس کے بعد شیخ الشیوخ کے سب ساتھی اور دیگر مرید جن کی تعداد ایک ہزار ایک سو تھی اور وہ سب کے سب اعلیٰ درجہ کے عارف، عاشق، محبت اور زاہد تھے، رشک کرنے لگے۔ اور وہ کہتے تھے کہ عجیب بات ہے کہ ایک ہندوستان فقیر آیا اور ایک دن اور رات بھی نہیں گزری ہے کہ اُسے خرقة و سجادہ عطا ہوا، اور ہم میں سے کوئی دس سال سے، کوئی بیس سال، تیس سال اور کوئی چالیس سال سے مجاہدہ اور ریاضت کر رہا ہے اور حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں مصروف ہے لیکن شیخ نے کسی طرف توجہ نہ کی۔ اس ہندوستانی نے کیا کیا کہ اس ایک ہی دن میں یہ دولت اور نعمت پا گیا۔

شیخ الشیوخ العالم اس ماجرا سے مطلع ہوئے تو انہوں نے سب ساتھیوں اور مریدوں کو بلایا اور پھر ہر ایک کو ایک ایک کبوتر دیا اور کہا، جاؤ اور اپنے اپنے کبوتر کو اس جگہ ذبح کرو کہ وہاں کوئی تمہیں نہ دیکھے۔ سب چلے گئے اور انہوں نے اپنے اپنے کبوتر

کو مکان کے اندر دیوار کی اوٹ میں ذبح کیا اور لے آئے لیکن شیخ بہاؤ الدین نے اپنے کبوتر کو ذبح نہ کیا بلکہ اسی طرح زندہ لے آئے۔ سب لوگوں نے شیخ بہاؤ الدین پر دیوانگی کی تہمت لگائی کہ یہ ہندوستانی کچھ بھی نہیں جانتا کہ کبوتر کو ذبح کئے بغیر لے آیا۔

پھر شیخ نے فرمایا:

اے بہاؤ الدین! یہ سب ذبح کر کے لے آئے لیکن تم نے کیوں ذبح نہیں کیا اور زندہ لے آئے۔ شیخ بہاؤ الدین نے سلام عرض کیا اور کہا کہ آپ نے خود اپنی زبان سے فرمایا تھا کہ وہاں ذبح کرنا جہاں کوئی نہ دیکھے۔ میں جہاں بھی گیا میں نے کوئی جگہ خدا سے پوشیدہ نہ دیکھی اور خدا ہر جگہ حاضر و ناظر تھا۔ کیا کروں، اسی طرح زندہ لے آیا ہوں۔ میں نے آپ کے حکم مبارک پر عمل کیا۔ شیخ نے اس بات پر آفرین کہی اور سب ساتھیوں کو بتایا۔

چند دنوں کے بعد شیخ الشیوخ نے اپنے تمام اصحاب کو فرمایا کہ جاؤ اور صحرا سے نماز کے لیے نیچے بچھانے کے لیے گھاس خانقاہ میں لے آؤ۔ سب اصحاب گئے اور سبز گھاس اکھاڑ کر سر پر رکھ کر لے آئے۔ شیخ بہاؤ الدین سوکھی گھاس سر پر رکھ لے آئے۔ سب اصحاب نے آپ کا مذاق اڑایا اور کہنے لگے کہ تم نے یہ کیا کیا، اچھی سبز گھاس کیوں نہ لائے جس طرح باقی اصحاب لائے اور یہ سوکھی گھاس لے کے آئے۔

شیخ بہاؤ الدین نے جواب دیا کہ یا حضرت جب میں نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ جتنی بھی سبز گھاس ہے وہ ذکرا الہی میں مشغول ہے، ان کا یہ ذکر مانع ہوا کہ انہیں اکھاڑتا اور یہ خشک گھاس سر پر لے کر آیا کہ یہ ذکرا الہی سے فارغ ہو چکی تھی اور یہ خانقاہ کی سجدہ گاہ کے لائق بھی ہو چکی تھی۔ اس کو اکھاڑ کر سر پر رکھ کر لے آیا ہوں۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا: اے اصحاب! اس ہندوستانی درویش پر رشک نہ کرو کہ یہ اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ چکا ہے اور تم اس درجہ پر نہیں پہنچے ہو۔ تمہاری انتہاء اس کی ابتداء ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ شیخ الشیوخ العالم نے فرمایا: اے بہاؤ الدین! تم نے میرے بھائی جلال الدین تبریزی کو دیکھا؟ شیخ بہاؤ الدین نے کہا: ہاں۔ شیخ ابوسعید کو بھی دیکھا؟ شیخ بہاؤ الدین نے کہا: دیکھا۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا: اے بہاؤ الدین چوہتر سال ہو گئے ہیں کہ وہ دونوں ہر دو راتوں میں ایک کھجور سے روزہ افطار کرتے ہیں اور ہر رات ہزار رکعت نماز نفل ادا کرتے ہیں اور میرے سفر کی بابت ان سے جا کر پوچھنا تا کہ عبرت حاصل ہو۔ شیخ بہاؤ الدین نے فرمایا کہ میں چلا گیا اور میں نے جو قدم بھی ان کی طرف اٹھایا دو نفل ادا کیے۔ حتیٰ کہ پانچویں سال میں ان کی خدمت میں جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دونوں غار کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر حق میں مشغول ہیں اور عالم حیرت میں ہیں۔ جب میں پہنچا، میں نے سلام عرض کیا۔ وہ بولے: اے مولانا بہاؤ الدین! آ جاؤ۔ دونوں نے اپنا مصلّا میری طرف پھینکا اور کہنے لگے کہ یہ برکت تجھے حاصل ہو گئی ہے کہ ہم نے چوہتر سال عبادت الہی کی اور کبھی نہ سوئے نہ آرام کیا اور ایک گھنٹہ بھی ذکر الہی سے فارغ نہ رہے۔ دن کو روزہ رکھا اور رات کو قیام کرتے تھے اور رات کو آدھی کھجور سے روزہ افطار کرتے تھے۔ ہم نے آج یہ دولت تجھ پر نازل کی۔

اور اسے تیرے لائق سمجھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے۔ پھر انہوں نے اپنی چٹائی کے نیچے سے ایک خربوزہ کھینچ کر مجھے دیا اور کہا کہ کھا لو کہ اس خربوزے کو تین سال ہو گئے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہے اور ان تین سالوں میں ہم تمہارے انتظار کی راہ تک رہے تھے۔ اب وہ امانت صحیح سلامت تم تک پہنچ گئی ہے۔ اور کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خربوزہ دیتے وقت فرمایا تھا کہ یہ خربوزہ حضرت جبرائیلؑ امین نے دیا ہے اور جنت الفردوس سے آیا ہے اور اُسے حضرت جل جلالہ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ امانت خداوند تعالیٰ نے

تمہارے لیے بھیجی ہے۔ کھاؤ۔ جب میں نے خر بوزے کو کھایا تو تمام بشری پردے اور عنصری حجاب جو موجود تھے، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور ایسی رقت پیدا ہوئی کہ عرش کی انتہا سے لے کر زمین کے نیچے تک کوئی کدورت اور پردہ نہ رہا اور سب علوم روشن ہو گئے۔ قرآن حکیم سے لے کر روز الست تک۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ سلوک کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائیے۔ دونوں نے کہا شیخ الشیوخ والی ماچین کی حکایت سنو۔

چونکہ ان چچا شیخ نجیب الدین عمر سہروردی کبریٰ مصلیٰ سجادہ کے راستے بغداد کے مشائخ کی خلافت کو پہنچے تو شیخ الشیوخ والی ماچین نے جب یہ خبر شیخ شہاب الدین سہروردی سے سنی تو بادشاہت چھوڑ دی۔ ملک کو بھی چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کو اپنی جگہ بٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں آ کر بیس سال تک عبادت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور ان بیس سالوں میں انہوں نے نہ رات کو نیند پوری کی اور نہ دن میں آرام کیا اور ہر رات دو رکعت میں تمام قرآن حکیم ختم کیا۔ دن کو روزہ رکھتے اور ہر رات پان کے دوپتوں سے روزہ افطار کرتے۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خر قہ اپنے مبارک سر سے اتار کر شیخ الشیوخ کو دیا اور فرمایا اس خر قہ کو پہن لو اور جو کوئی بھی اس خر قہ کو پہنے گا خداوند کریم اُسے دس کرا متیں عطا فرمائے گا۔

- ۱۔ اسے کشف حاصل ہوگا اور تمام حجاب اٹھ جائیں گے۔
- ۲۔ خر قہ پہننے والا میرا دوست ہوگا۔
- ۳۔ حکمت کے آثار اس کے دل اور زبان سے جاری ہوں گے۔
- ۴۔ جو کوئی اس کے تابع دوستی اور ساتھی اس کا میں ضامن ہوں گا۔
- ۵۔ وہ لوح محفوظ کے علم کا مطالعہ کرے گا۔
- ۶۔ اُسے عرش سے فرش تک کشف حاصل ہوگا۔

۷۔ اس پر عارفوں کا مقام اور منزلیں روشن ہوں گی۔

۸۔ اس کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہوگا۔

۹۔ علم وراثت اس پر عیاں ہوگا۔

۱۰۔ مشاہدے، محو اور تزکیہ کی حالت کا شکر سب اُسے حاصل ہوگا اور رسول کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خرقہ کی برکت سے اسے اسرار معلوم ہوں گے۔

پھر شیخ بہاؤ الدین نے ان کو الوداع کہا اور شیخ الشیوخ العالم کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تعالیٰ کے حوالے کیا اور فرمایا کہ میں

اس خرقہ کو خدا کی اجازت کے بغیر نہیں دیتا ہوں۔

بیان کرتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ایک پہلو سور ہے تھے اور دوسرا پہلو قبر میں

رکھا ہوا تھا۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ آپ ہر رات اور دن میں تین بار قرآن

حکیم ختم فرماتے تھے اور ساری عمر اس فرض کو لازم سمجھتے تھے۔

بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت میں صوف

پہننے کی بات چل رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ جب درویش صوف یا کمبل پہنتا ہے تو اس

پر واجب ہے کہ تنہائی حاصل کرے اور اہل دنیا اس کے متعلقات سے اجتناب برتے اور

دولت مندوں کی صحبت سے رشتہ توڑ لے، پھر فرمایا جان لو کہ وہ درویش ہے اور کمبل پہننا

اس کا حق ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ملتان میں حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی

خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ چومنے کی بات درمیان میں آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ یوسف

حجاج کو اس کی موت کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا۔ تمہارا کیا حال

ہے؟ اس نے کہا معرض ہلاکت میں تھا لیکن اُمید کے ساتھ بخشش ہوئی اور معاف

کر دیا گیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کون سا عمل اور کون سی نیکی تھی کہ جس کے تم امیدوار تھے، اس نے کہا ایک دن حسن بصریؒ کی مجلس میں میں نے ان کا ہاتھ چوما تھا اور اس کے بدلے مغفرت نصیب ہوئی۔ پس جو کوئی بزرگوں کے ہاتھ چومتا ہے امید ہے کہ وہ بخشا جائے گا۔

شیخ جلال الدین بخاری بیان کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے علم عطا کیا اور شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ کے ملفوظات میں بھی ذکر کیا ہے اور اس نسخے میں بھی لکھا ہے کہ حضرت شیخ کے سب مرید آتش دوزخ سے روز میثاق سے خلاصی پا چکے ہیں۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ چوالیس کروڑ چوراسی لاکھ ننانوے ہزار مریدوں کی ضمانت میرے ذمہ ہے اور خدائے تعالیٰ نے انہیں مجھے بخشا ہے اور روز قیامت تک ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری خانقاہ میں میری قبر کی زیارت کے لیے آئے گا یا ہمارے خلفاء اور ہماری اولاد کے حضور آتا ہے یا دو مسلمانوں کے سامنے شہادت پیش کرتا ہے اور ہماری ارادت اور بیعت کو قبول کرتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو اور اپنے آپ کو ہمارا مرید کہے، ان سب کو رب العزت نے مجھے بخشا ہے اور یہ عہد ازل سے بندھا ہوا ہے اور ہمارے مریدوں

میں سے:

چھتر ہزار غوث ہیں۔	۷۵،۰۰۰
ننانوے ہزار قطب ہیں۔	۹۹،۰۰۰
ایک لاکھ چالیس ہزار عمدہ ہیں۔	۱،۴۰،۰۰۰
ایک لاکھ دس ہزار مرشد ہیں۔	۱،۱۰،۰۰۰
ایک لاکھ بیس ہزار اخیار ہیں۔	۱،۲۰،۰۰۰
ایک لاکھ تیس ہزار نقبا ہیں۔	۱،۳۰،۰۰۰
چودہ ہزار نخباء ہیں۔	۱۴،۰۰۰
ایک لاکھ پچاس ہزار اوتاد ہیں۔	۱،۵۰،۰۰۰

ایک لاکھ اسی ہزار ابدال ہیں۔	۱،۸۰،۰۰۰
ایک لاکھ پچاس ہزار زاہد ہیں۔	۱،۵۰،۰۰۰
ایک لاکھ اسی ہزار عارف ہیں۔	۱،۸۰،۰۰۰
ایک لاکھ نوے ہزار ناظر ہیں۔	۱،۹۰،۰۰۰
دو لاکھ دس ہزار مراد ہیں۔	۲،۱۰،۰۰۰
دو لاکھ بیس ہزار سالک ہیں۔	۲،۲۰،۰۰۰
چوبیس ہزار داعی ہیں۔	۲۴،۰۰۰
دو لاکھ پچاس ہزار وجدی ہیں۔	۲،۵۰،۰۰۰
دو لاکھ اسی ہزار صابر ہیں۔	۲،۸۰،۰۰۰
دو لاکھ نوے ہزار خائف ہیں۔	۲،۹۰،۰۰۰
دو لاکھ نوے ہزار ثابت ہیں۔	۲،۹۰،۰۰۰
تین لاکھ دس ہزار متحیر ہیں۔	۳،۱۰،۰۰۰

اور انہوں نے عالم حیرت میں غوطہ لگا رکھا ہے اور چار لاکھ دانشمند اہل فتویٰ ہیں اور باقی عام مریدین جو اس سلسلہ میں داخل ہیں، میں روزِ قیامت تک ان کا ضامن ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں روزِ قیامت بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو میری حمایت میں اور میرے زیر سایہ پہنچایا ہے روزِ حشر تک کے لیے۔

مختصر ملفوظات

حضرت شیخ مرید الدین گنج شکر:

شیخ مرید الدین گنج شکر فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرا بھائی شیخ بہاؤ الحق زکریا بخارا کے شہر میں ایک جگہ اکٹھے تھے۔ یہ علماء کی مجلس تھی۔ گفتگو کے دوران ہاتھ جو منے کی بات درمیان میں آگئی۔ شیخ بہاؤ الدین نے فرمایا کہ شیخ شہاب سہروردی کی عادت تھی

کہ جب بھی کسی مجلس یا جماعت کے پاس سے گزرتے جب تک لوگوں کے ہاتھ کو بوسہ نہ دیتے، وہاں سے نہ جاتے اور دعائے خیر طلب کرتے۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ فارغ ہو جائیں تو ایک دوسرے کے ہاتھ چومیں، دین و دنیا کی بھلائی کے لیے۔ شیخ مُرید الدین گنج شکرؒ بیان فرماتے ہیں کہ ملتان میں ایک نوجوان فوت ہوا جو بہت زیادہ فاسق تھا۔ وفات کے بعد لوگوں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا تمہاری بخشش کا سبب کیا تھا؟ اس نے کہا: ایک دن شیخ بہاؤ الدین راستے پر چل رہے تھے، میں نے ان کا ہاتھ چوما اور ان کے ہاتھ چومنے کی برکت سے خدائے عزوجل نے مجھے بخش دیا۔

شیخ مُرید الدین گنج شکرؒ بیان فرماتے ہیں کہ میرے بھائی شیخ بہاؤ الدین کی یہ عادت تھی کہ جو کوئی بھی مر جاتا وہ اس کے جنازے کے پیچھے چلتے اور جب اس شخص کو دفن کر دیا جاتا وہ کچھ دیر اس کی قبر پر بیٹھتے اور کچھ پڑھتے پھر واپس لوٹتے۔ الغرض شیخ کا ایک ہمسایہ فوت ہو گیا۔ حضرت شیخ اپنی قدیم عادت کے تحت اس کے جنازے کے پیچھے چلے۔ جب اسے دفن کر دیا حضرت شیخ اس کی قبر پر بیٹھ گئے۔ جب کچھ وقت گزر گیا تو آپ نے اپنا دست مبارک اپنے چہرے پر پھیرا اور الحمد للہ کہا۔

ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدر الدین بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے اس بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس وقت جب اس درویش کو دفن کیا گیا، منکر نکیر آکر واپس چلے گئے اور آگ نے قبر کو گھیر لیا تا کہ اُسے جلا دے۔ اس درویش نے شیخ جلال الدین کو پکارا۔ وہ آگے اور درمیان میں کھڑے ہو کر انہوں نے آواز لگائی کہ اے آگ! دور ہو جا، یہ میرا مرید ہے۔ آواز آئی کہ اے جلال الدین! ایسا بھی ہے جیسا تم کہتے ہو تو یہ تمہارا مرید ہے لیکن اس نے تمہاری تعلیمات کے خلاف عمل کیا ہے۔ اسے چھوڑو تا کہ آگ اسے جلا دے۔ شیخ جلال الدین نے کہا: الہی اگرچہ یہ میرے حکم کے خلاف چلا لیکن

واضح طور پر کہتا تھا کہ شیخ جلال الدین کے فریدوں میں سے ہوں۔ فرمان الہی جاری ہوا کہ اسے تمہاری خاطر میں نے بخش دیا۔ پھر شیخ بہاؤ الدین خوب روئے اور فرمایا: ہاں بزرگوں سے رابطہ رکھنے کا صلہ یہی ہے۔ اس کے بعد یہ شعر زبان مبارک پر جاری ہوا:

گر نیک زیم مرا از ایشان گیرند
در بد ہاشم مرا با ایشان بخشند

اُردو ترجمہ: اگر نیکوں کی طرح جیوں گا تو مجھے اُن کے ساتھ بخش دیں اور اگر میں بُرا ہوا تو ان کی وجہ سے بخش دیں گے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر بیان فرماتے ہیں کہ جب قطب الدین بختیار کاکی، جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کہیں اکٹھے ہوتے تو ہزرات بہاؤ الدین نماز پڑھایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز میں دو قرآن مجید فرماتے تھے اور اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔

بیان فرماتے ہیں کہ انہی دنوں جب یہ تینوں بزرگوار ملتان میں اکٹھے تھے، منگولوں کے عظیم الشان لشکر نے ملتان پر چڑھائی کر دی۔ شیخ بہاؤ الدین نے کمان طلب کر کے اس پر تیر چڑھا کر قباچہ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ منگولوں کے لشکر پر تیر پھینک دو۔ جب قباچہ نے وہ تیر اس لشکر کی طرف پھینک دیا تو تمام لشکر کو شکست ہو گئی اور منگولوں کے چالیس ہزار کے لشکر کے منہ سے خون جاری ہو گیا اور سب مر گئے۔ جب مُردوں کے سینوں کو چاک کیا گیا تو ہر ایک کے دل میں ایک تیر پیوست تھا اور اس زخم میں سے خون جاری تھا۔

مختصر ملفوظات

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء:

بیان فرماتے ہیں سلطان العارفين شیخ نظام الدین اولیاء کہ جب شیخ الاسلام شیخ

بہاؤ الدین زکریا شیخ الشیوخ العالم شہاب الدین عمر سہروردی کی خدمت میں پہنچے۔ وہ ان کی خدمت میں سترہ دن سے زیادہ نہ رہے اور انہوں نے ان سترہ روز میں مرشد کی نظر شفقت اور کشف و کرامت کے اشاروں سے عظیم نعمتیں، سجادہ اور خرقہ حاصل کیا۔ پھر آپ ہندوستان آگئے۔ پھر ارادہ کیا جائیں اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پاس آئے۔ شیخ جلال الدین نے کہا: یا شیخ بہاؤ الدین، شیخ الشیوخ کا فرمان یہی ہے کہ واپس لوٹ جاؤ۔

اس کے بعد فرمایا کہ سترہ دن میں اتنی نعمتیں حاصل کر لیں کہ پرانے اصحاب کے مزاج متغیر ہو گئے اور وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہتے تھے کہ کئی سال سے خدمت کر رہے ہیں، ہمیں یہ نعمتیں حاصل نہ ہوئیں۔ ہندوستانی آیا اور چند دنوں میں شیخ ہونے، سجادہ حاصل کرنے کی اور دیگر بہت سی نعمتیں پا گیا۔ یہ بات شیخ الشیوخ تک پہنچی تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

تم گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے اور گیلی لکڑی دیر سے آگ پکڑتی ہے۔ وہ خشک لکڑیاں لایا تھا ایک ہی دفعہ آگ پکڑ گئیں۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا فرماتے ہیں پھر سترہ دن کے بعد شیخ الشیوخ سے رخصت ہوا۔ وقت رخصت حضرت شیخ کے ہاتھ میں ایک انار تھا، وہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا۔ اس میں سے ایک دانہ زمین پر گر گیا، میں نے فوراً اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ شیخ نے کرم کرتے ہوئے فرمایا: اے بہاؤ الدین زکریا! یہ دنیا تھی اور میں چاہتا تھا کہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، تم نے اٹھا لیا اور کھا لیا۔ تم نے دین و دنیا دونوں حاصل کر لیے۔

بیان فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک رات حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو دو رکعت میں دو بار قرآن مجید ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ شیخ بہاؤ الدین آگے بڑھے اور چار رکعت میں دو قرآن ختم فرمائے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ کر نماز ختم کی۔

بیان فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ بھی ملا نماز سے ملا اور ہم نے اسے حاصل کیا۔ لیکن ایک چیز میں نہ کرسکا اور وہ یہ تھی جو مجھ تک پہنچی کہ فلاں بزرگ صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن مجید ختم کرتے ہیں، لیکن میں جتنا چاہا نہ کرسکا۔

بیان فرماتے ہیں کہ میں شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خدمت میں مشائخ عظام و اولیائے نامدار کے مدرسہ میں تھا۔ ہر کوئی اپنی وسعت کے مطابق بات کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس دن جب میں شکم مادر میں تھا اور میرے جسم میں روح پڑ چکی تھی، میں اس روز سے آج دن تک کی سب باتیں جانتا ہوں۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا یہ رات بزرگوں کے لیے آسان ہے۔ میں نے پوچھا یا شیخ یہ کیسے! شیخ بہاؤ الدین زکریا نے فرمایا کہ روز میثاق عہد پروردگار، ”الست برکم“ کے تحت ہوا تھا۔ میں اس دن سے جب سب روحوں نے خدا کے ساتھ یہ پیمان باندھا تھا، آج دن تک سب کچھ جانتا ہوں جیسا کہ اس مجلس میں کہا گیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا نے کئی بار فرمایا کہ ہر دروازے پر اور ہر شخص کے پاس مت جاؤ۔ ایک درواز پکڑو اور پکا پکڑو۔

بر ہر دری مرو کہ ز تو آبرو رود
یک در برو بگیر ولی استور گیر

اُردو ترجمہ:

ہر دروازے پر مت جاؤ کہ اس طرح تمہاری آبرو چلی جائے گی، ایک دروازہ اپنے لیے پکڑو لیکن مضبوطی سے پکڑو۔

بیان فرماتے ہیں کہ جب شیخ بہاؤ الدین علمائے بخارا کے ساتھ مصروف بحث تھے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ ولایت وہ ہے کہ ولی اللہ خانہ کعبہ کو اپنے بجائے دوسروں کو دکھائے۔ شیخ الاسلام نے جونہی یہ بات سنی فوراً اپنا سرمراقبے میں رکھا اور دیر کے بعد

سراٹھاتے ہوئے فرمایا سامنے دیکھو۔

سب نے سامنے جو دیکھا تو کعبہ کو سامنے پایا۔ پھر وہ کہنے لگے یہ کامل شخص جو آیا

ہے تو ہم نے کسی کو اس کا ہم پلہ نہیں پایا۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردیؒ ملتانی کے معروف مریدوں کے نام:

شیخ عثمان مروندیؒ المعروف لال شہباز قلندر

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی

شیخ حسن افغان

شیخ جلال الدین بخاریؒ

میر سادات حسینی لہرویؒ

روحانیت کا وہ آفتاب عالم تاب!

جو افق سے طلوع ہوا، اور اس کی ضیاء نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔

وہ جس نے خانقاہوں کو ان کی چھنی ہوئی عزت بخشی اور شریعت و طریقت کے ماہ

الامتیاز کو واضح کیا۔

وہ جس نے خود پرستی کے ان بتوں کو توڑ کر چکنا چور کر دیا، جنہوں نے شریعت اور

طریقت کے درمیان دیوار کھڑی کر دی تھی اور خدا پرستوں کو خود پرستی کا بیمار بنا دیا تھا۔

وہ جس نے ملتان کے شاہی قلعہ میں بہت بڑی درس گاہ کی بنیاد رکھی جس میں نہ

صرف شرعی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، بلکہ اسلام کی حقانیت کو واضح کرنے اور اکناف عالم

میں توحید کی شمعیں روشن کرنے کے لیے مبلغین کی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں۔

وہ جو ادا عظیم!

جس کے خلفاء ہزاروں روپے کا سامان تجارت خرید کر سوداگروں کے بھیس میں
انڈونیشیا، فلپائن اور چین تک کا سفر کرتے اور تجارت کے ساتھ ساتھ وہاں کے عوام کو اسلام
سے روشناس بھی کراتے تھے۔

وہ شیخ کامل جس کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اُس کی لونڈیاں چکی پیسنے بیٹھتیں
تو قرآن ختم کر کے اُٹھتی تھیں۔

وہ مُرشد ارشد جو مرید کرتے وقت اس امر کی بیعت لیتا تھا کہ وہ جو کسب کرتا ہے،
اس میں بددیانتی نہیں کرے گا۔

☆ وہ خدایا درویش! جس کے رُعب سے سلطان ناصر الدین قباچہ ترساں ولرزاں
رہتا تھا۔

☆ وہ جس نے اسلامی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔

☆ وہ جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔

☆ وہ جس نے قلب و روح کو نئی زندگی بخشی۔

عراقی اور حسینی جیسے اغواث و اقطاب کو مُرشد جسے رفیقِ اعلیٰ کو لبیک کہے نو صدیاں
گزر چکی ہیں مگر اس کا مزار پر انوار اب بھی مایوس دلوں کی اُمید گاہ ہے۔ ہزاروں ہاتھ صبح
و شام فاتحہ کے لیے اُٹھتے ہیں اور قبۃ ابیض قلعے کی بلندی سے شہر پر نور بکھیرتا نظر آتا ہے۔

قُبۃ ابیض:

حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ العزیز کا قبۃ ابیض جنوبی ایشیا
کے قدیم ترین شہر ملتان میں واقع ہے۔ صدیاں بیت گئیں، ہزار ہا خاندانوں نے امیری

غربی کی چادریں لپیٹیں، بڑے بڑے نامور سلاطین آئے اور

تُوْتِي الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ. ۱

کاشا ہانہ اعتراف کرتے ہوئے ملک عدم کو رخصت ہو گئے۔ وہ محلات جن سے آٹھوں پہر مشک و عنبر کی لپیٹیں اٹھا کرتی تھیں، جہاں ہر طرف ریشم اور مخمل کے پردے آویزاں رہتے تھے۔ جن میں ہر وقت کشمیر اور ایران کے زریں کارغالیچے بچھے رہتے تھے، آج دنیا ان کے آثار تک دکھانے سے قاصر ہے اور وہ سر بفلک قلعہ بھی جو سکندر اعظم سے سر نہ ہوا تھا، کھنڈر بن چکا ہے۔

چناب جو کبھی قلعے کی دیواروں سے ٹکرا کر گزرتا تھا، آج بیس میل شمال کو ہو کر بہتا ہے۔ الغرض اس قدر انقلابات آئے کہ اس فلک کا جغرافیہ تک بدل گیا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ الاسلام کے قبۃ ابیض کی شوکت و دارائی میں فرق نہیں آیا۔ ہزاروں آندھیاں آئیں، سینکڑوں طوفان ٹکرائے، حملہ آوروں کی دست برد سے شہر کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی مگر روضہ اقدس کی یہ کیفیت ہے کہ جو اینٹیں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ خود لگوا کر گئے تھے، وہ آج بھی جوں کی توں موجود ہے۔

سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین، محمد تغلق، فیروز شاہ، سلطان حسین، دارالشکوہ اور اورنگ زیب خدا جانے کتنے مہربان تاجدار اس بارگاہ پر حاضری دے چکے ہیں اور خدا معلوم ابھی کتنے دوسرے شہریاروں کی قسمت میں اس درگاہ کی حاضری مقدر ہو چکی ہے۔ زمانہ بدلتا رہے گا، حکومتیں کروٹیں لیتی رہیں گی، باشندے ادھر ادھر بدلتے رہیں گے لیکن حضرت شیخ الاسلام کا یہ قبۃ ابیض اسی طرح خاص و عام سے خراج عقیدت وصول کرتا رہے گا۔

تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۱ ہجری:

زائراندر قدم رکھتے ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، ہر چیز نئے رنگ اور نئے ڈھنگ میں نظر آتی ہے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے شیخ الاسلامؒ کی ہر چیز کے تصوف میں رنگ میں رنگ دیا ہے، ہر شے زائر کے دل پر اثر ڈالتی ہے اور آدمی فرطِ رعب سے لرز اٹھتا ہے۔ ڈیوڑھی میں دائیں جانب حضرت شیخ الاسلامؒ کے ایوان کا دروازہ ہے۔ نقیب اور چاؤش رہ رہ کر پکار اٹھتے ہیں۔ ”مدد بہاؤ الحق“ زائر کی حالت اس وقت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی ملزم کسی بڑے جرم کا مرتکب ہو کر معافی طلب کرنے کے لیے ایک جلیل القدر بادشاہ کے دربار میں باریاب ہو رہا ہو۔

ساڑھے نو فٹ آثار طے کرنے کے بعد زائر اپنے آپ کو شیخ الاسلامؒ کے دربار میں پاتا ہے۔ دربار خاصان خاص سے کھچا کھچ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ زائر دائیں جانب ایک تنگ راستہ کے ذریعے سرنگوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا حضور کے دائیں پہلو میں جا پہنچتا ہے اور بے اختیار ایک آہ کہہ کر آپ کے تخت سے (جس سے دنیا کے لاکھوں تخت طاؤس خم کھاتے ہیں) چمٹ جاتا ہے اور زار و قطار روتا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ کا دامن اور زائر کا چہرہ قطرات اشک سے تر ہو جاتے ہیں۔ شاہانِ مجاز کی طرح حضرت شیخ الاسلامؒ جھڑکتے نہیں اور نہ ہی کسی اہلکار یا خادم کی جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ آئے اور ملاقاتی کو شیخ الاسلامؒ کے دامن سے جدا کرے۔ جب زائر رو کر ٹنڈھال ہو جاتا ہے تو اچانک اسے محسوس ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے اپنا بابرکت ہاتھ اس کے دل پر رکھ دیا ہے۔ ایک عجیب اطمینان کی لہر زائر کی رگ رگ اور نس نس میں دوڑ جاتی ہے، سیاہ کار اور مجرم زائر کا دل شہادت دیتا ہے کہ عرق انفعال کے چند قطرات کو ذات ذوالجلال نے حضرت شیخ

الاسلام کی توجہ سے شرفِ قبولیت بخشا ہے اور نامہ اعمال کی کدورتوں سے صاف ہو گیا ہے۔ تب شادمانی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ مرقد مبارک پر رکھ کر انتہائی ادب و احترام سے بوسہ دیتا ہے، غلاف کو اپنی آنکھوں سے لگاتا اور چومتا ہے۔

پھر ذرا پیچھے ہٹ کر بائیں جانب کو پشت کر کے حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں فاتحہ کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ اپنے اپنے خاندان اور ملتِ اسلامیہ کے مولائے کائنات کی خدمت میں دعا طلب کرتا ہے اور اس جلیل القدر اور محبوب شخصیت کا واسطہ دیتا ہے، گڑ گڑاتا ہے اور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے بے بسی اور بے کسی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد نہایت انکسار سے حضور شیخ الاسلام اور آپ کے پہلوانشین فرزند جگر بند حضرت شیخ الاسلام ابوالمنعم صدر الدین محمد عارف باللہ اور آپ کے درباریوں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا بائیں جانب کے راستے پیچھے ہٹتا، دروازے سے باہر نکل آتا ہے اور ایک عجیب فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انسانی کمزوریوں اور لغزشوں کا وہ بارگراں جو وہ کندھوں پر اٹھالایا تھا، اس سے اتار لیا گیا ہے۔ یہ ایک عمومی کیفیت ہے جو تقریباً ہر زائر کے دل پر گزرتی ہے۔ خاصانِ بارگاہ کی اس سے بھی عجیب تر حالت ہوتی ہے۔

بہر کیف

جتنا ہے ظرف اس کا اتنا وہ پی رہا ہے

اگرچہ شیخ الاسلام کے واقعات عالم آشکار ہیں اور دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے سوانح حیات سے آشنا ہے لیکن ان کے ذکر میں کچھ ایسی حلاوت پائی جاتی ہے کہ قند مکرر کا لطف آتا ہے۔ اس لیے مختصر اسپر قلم کرتا ہوں۔

آباؤ اجداد:

تمام تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ حسب نسب کے اعتبار سے قریشی الاسدی تھے۔ حضور ﷺ کی اولاد میں سے بعض افراد اپنے آپ کو اسدی الہاشمی لکھتے ہیں، حالانکہ ایک دنیا جانتی ہے کہ اسد بن ہاشم مقطوع النسل تھے۔ لوگوں نے غلطی سے اسد بن عبدالعزیز کو اسد بن ہاشم سمجھ لیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسد بن عبدالعزیز اور اسد بن ہاشم دونوں ایک ہی گھرانے کے رکن رکین ہیں۔ ایک اسد کا نسب نامہ دو واسطوں سے جناب قصی سے ملتا ہے اور دوسرے کا تین واسطوں سے۔ ”تاریخ الخمیس“ اور ”روضۃ الاحباب“ کے نزدیک سوائے آل عبدالمطلب کے دنیا میں کوئی بنی ہاشم نہیں۔ اسی طرح علامہ شامی بھی سوائے عبدالمطلب کی اولاد کے کسی کو ہاشمی تسلیم نہیں کرتے۔

مخدوم سید جلال بخاری کا قول فیصل:

مخدوم سید جلال بخاری حضرت شیخ الاسلام کے محبوب مرید اور نامور خلیفہ نے اپنے پیرومرشد کا جو شجرہ پیش کیا ہے، وہ حضرت شیخ الاسلام کے فرزند اکبر حضرت صدر الدین عارف قدس سرہ کی بیاض سے نقل شدہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اسی لیے اکثر محققین نے اسی نسب نامہ پر اعتماد کیا ہے جن میں شیخ عین الدین بیجاپوری، پیرزادہ محمد حسین صاحب، مترجم سفرنامہ ابن بطوطہ، شیخ محمد علی صاحب رونق مؤلف تحقیق الانساب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مخدوم سید جلال بخاری نے اس امر پر بڑے فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے کہ میرے مرشد کے آباؤ اجداد عرب کے رؤسا اور شرفاء میں سے تھے اور وہ ممتاز قریشی تھے۔ کیونکہ ان کا نسب حضرت رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی نسب مبارک کے ساتھ جناب قصی سے مل جاتا ہے۔ جناب قصی کے دو فرزند تھے، ایک عبد مناف جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہیں اور دوسرے عبد العزیٰ جو ہمارے مشائخ کے مورث وجدِ اعلیٰ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا نسب اکیس واسطوں سے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانچ واسطوں سے جناب قصی سے ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جلال بخاریؒ کی عبارت کا متن ملاحظہ ہو:

نسب نامہ مصدقہ سید السادات جلال بخاریؒ:

اتنی وضاحت کے بعد حضرت مخدوم نے شیخ الاسلامؒ کا مکمل نسب نامہ اپنے ملفوظ میں اس طرح سے درج کیا ہے:

حضرت شیخ الاسلامؒ شیخ بہاؤ الدین زکریا

بہاء الحق بن شیخ محمد غوث

بن شیخ ابوبکر بن شیخ جلال الدین بن شیخ علی قاضی

بن شمس الدین محمد بن الحسن بن عبد اللہ

بن الحسن بن المطرف بن خزیمہ بن حازم بن

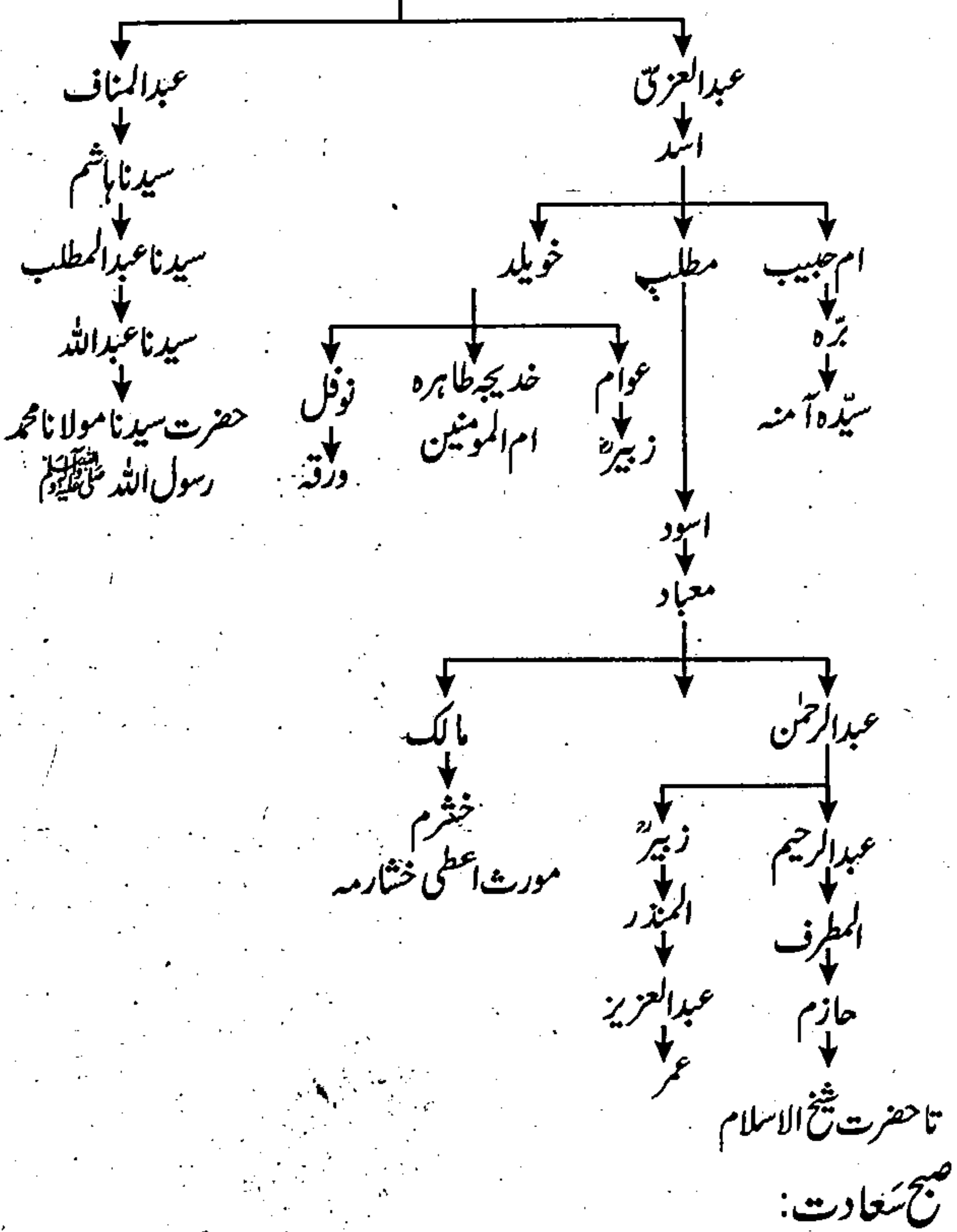
محمد بن المطرف بن عبد الرحیم بن عبد الرحمن بن

ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی

حضرت شیخ الاسلامؒ بہاؤ الدین زکریا علیہ الرحمۃ اور خاندان نبوت کا نسبی تعلق

ذیل کے شجرہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

قصی بن کلاب



قدرت کا ازل سے یہ اصول چلا آیا ہے کہ جب کوئی چیز منہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ کئی بار ہمارے مشاہدے میں آیا ہے کہ جب گرمی شدت اختیار کر لیتی ہے اور جس سے خلق خدا کا دم گھٹنے لگتا ہے تو اس وقت

رحمت کاملہ ایک لکڑی ابر کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہوتی ہے کہ ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دینے لگتا ہے نیز اسی طرح خزاں کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور چمن کی حسن و خوبی برباد ہو جاتی ہے تو بادِ بہاری نوجوانانِ چمن کے لیے ”حیاتِ نو“ کا پیغام لے کر آتی ہے۔ نا طورہ عالم کے کونے کونے میں زندگی کی ایک نئی روح دوڑ جاتی ہے، سبزہ ”سطحِ ارضی“ پر از سر نو مخملی فرش بچھا دیتا ہے، کملائے ہوئے پودے پھر ہرا بھر الباس پہن لیتے ہیں اور ڈالی ڈالی پر کلیاں رقص کرنے لگتی ہیں۔

ٹھیک اسی طرح جب شمال مغربی ہند کا گوشہ گوشہ کفر و الحاد کی گھٹاؤں سے تیرہ و تار ہو گیا تو قدرت نے مولانا وجیہہ الدین محمد غوثؒ کے مشکوئے اعلیٰ سے ایک ایسے ”گلِ سید“ کو پیدا کیا جس سے ربع مسکون کا چپہ چپہ معطر ہو گیا۔ اس مردِ کامل نے نصف صدی کے عرصے میں اس سر زمین کو نہ صرف قرامطہ کے اثرات سے پاک کیا بلکہ لاکھوں سرکش اور تند مزاج کافروں کو نورِ ایمان سے مالا مال کر کے مسلمانوں کی ”اقلیت“ کو ”اکثریت“ میں بدل دیا اور وہ لاکھوں خون آشام تلواریں جو سا لہا سال تک غزنی کے مجاہدوں سے ٹکراتی رہی تھیں، اسلام کی محافظ بن گئیں۔

آن دل کہ رم نمودے از خو برو جواناں

دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

سید جلال بخاری نور اللہ مرقدہ نے حضرت کی ولادت کا تذکرہ ان الفاظ میں

فرمایا ہے:

”مولد شیخنا و مخدومنا شیخ بہاؤ الحق والشرع والدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ السالِح

والعشرین من شہر رمضان المبارک فی لیلة القدر وقت الصبح لیلة الجمعة فی التاريخ الهجریة

المصطفویہ الکتہ المدینہ ست وستین و خمس مائتہ در خطہ کوٹ کروڑ ولایت دیپال است۔“

یعنی میرے پیر طریقت حضرت بہاؤ الحق والدین ابو محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

27 رمضان المبارک 566 ہجری کو پیدا ہوئے۔ لیلة القدر، شب جمعہ، ماہ صیام اور طلوع سحر کا وقت۔

سبحان اللہ! مولود مسعود کے وقت تمام برکتیں جمع ہو گئیں۔ ایک مورخ نے حضرت کی ولادت باسعادت کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

بتاریخ تولد غوث عالم

دراز بحر قدم آمد بعالم

حضرت مادرزاد ولی تھے۔ چونکہ رمضان کے ایام تھے، اس لیے جب تک شوال

کا چاند نظر نہ آیا حضرت نے دودھ نہ پیا۔

”وبعد از ونہ مکید شیر از پستان مادر تا روز عید شد“

(مخدوم بخاری)

مصنف علام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید

پڑھنے بیٹھتے تو یہ نو مولود دودھ پینا چھوڑ دیتا اور اس طرح سے حضرت کی طرف متوجہ ہو جاتا،

گویا قرآن سن رہا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ماں باپ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ایک

ارادت مند نے اس صورت حال کو یوں موزوں کیا ہے:

جب کہ قرآن پڑھتے تھے والد تیرے

کان تھے تیرے بھی بس اس پر لگے

ذوق تھا تجھ کو بہت قرآن کا

شوق تھا تجھ کو بہت رحمان کا

ولادت مخدوم رشید حقانی:

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کو تین سال گزرے تھے کہ اسی خانوادہ

کے مطلع پر شریعت و طریقت کے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا۔ یعنی شیخ احمد غوث کے

مشکوئے معلیٰ میں حضرت مخدوم عبدالرشید تولد ہوئے۔ ان کے بعد رب تعالیٰ نے آپ کو مزید پانچ فرزندار جمند عطا کئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ عبدالرحمن، شیخ طاہر، شیخ سادھن، شیخ موسیٰ (نواب)، شیخ راؤل دریا اور ایک صاحب زادی رشید خاتون۔

حضرت شیخ الاسلام کی تعلیم و تربیت:

ابھی حضرت بہت چھوٹے ہی تھے کہ شیخ محمد غوثؒ نے آپ کو مولانا ناصر الدین بلخی کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ آپ کی طبع رسا اور ذہانت خداداد کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف ہفت قرأت کے ساتھ حفظ کیا۔ اس کے بعد درسی کتب کی طرف متوجہ ہوئے اور ابھی صرف ونحو کی بحث ہی میں تھے کہ ”انشریح صدر“ ہو گیا۔ ۷۷۵ ہجری میں شیخ محمد غوثؒ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ عم بزرگوار شیخ احمد غوثؒ نے دستار سر پر باندھا، آپ کو آباؤ اجداد کی مسند پر لا بٹھایا۔ علماء، مشائخ اور زمینداران نے حاضر ہو کر مراسم تعزیت ادا کیں۔ خدم حشم نوکر چاکر سلام کو حاضر ہوئے۔ خزانہ کے محافظ نے موجودات کا جائزہ لینے کی درخواست کی۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر چچا جان سے عرض کی:

”آپ بمنزلہ والد کے ہیں، یہ تمام کارخانہ آپ سنبھالیں، میرے پڑھنے کے دن ہیں، مجھے اطمینان سے تحصیل علم کا موقعہ عنایت فرمائیں“

حضرت احمد غوثؒ کی تو خواہش ہی یہی تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے متورع اور منتہی علماء کوٹ کروڑ میں جمع کر دیئے، جن سے آپ اکتساب فیض کرتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے ملتان میں گزارا اور یہاں کے علماء اور مشائخ کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ مرور زمانہ نے ان حضرات کا کوئی نشان باقی نہ رکھا۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ خوش نصیب اساتذہ کون تھے؟ اور کہاں جا کر پیوند خاک بنے؟

محلہ کٹرہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد کے جنوبی حجرہ میں مولانا عبدالرشید کرمانی

رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ زیارت گہہ خلاق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار حضرت شیخ الاسلام کے استاد تھے۔

طالب علمی میں بخارا کا سفر:

بہر حال جب یہاں کے علماء سے استفادہ کر لیا تو پھر خراسان کا رخ کیا کیونکہ ان دنوں وہاں کی درس گاہوں کا بڑا چرچا تھا۔ ایک قافلے کے ہمراہ وہاں پہنچے اور سات برس تک علماء اور مشائخ سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ یہاں سے بخارا آئے اور کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اکتساب علم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک استاد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے سینہ میں جس قدر علم ہوتا، دو تین دن میں اس کا مکاشفہ کر لیتے، پھر دوسرے استاد کے پاس پہنچتے اور جس قدر علم ان کی وسعت امکان میں ہوتا اس کا کشف کر لیتے۔ اسی طرح ایسے چار سو چوبالیس (۴۴۴) باکمال اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذتہ کر کے سند فضیلت حاصل کی جو علم و فضل اور زہد و ورع کے لحاظ سے یگانہ روزگار تھے۔

صاحب خلاصۃ العارفين لکھتے ہیں:

”علم ظاہر بخد مت چندیں اساتذہ بایں طریق خواندہ اند کہ یک استاذ را ہر قدرے علم کہ در سینہ او بودے یک یا دو سہ روز بتائید الہی مکاشفہ کردے باز پیش دیگرے خواندے و ہر قدرے علم کہ در وسع امکان او بودے در دو سے روز درس مے کردے۔ و ہمہ علم را کشف مے نمودے۔ تا ہم چہیں بخد مت چہار صد چہار و چہل اساتذہ زانوئے تلمذتہ کردہ سند فضیلت حاصل کردند“

تخصیص علم کے دوران میں آپ کے پاس دو ہزار سے زیادہ علمی کتب جمع ہو گئی تھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ طباعت کا یہ انتظام نہیں تھا، دو ہزار کتب کو ایک بہت بڑا علمی خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ مؤلف تذکرہ ”اولیائے کرام“ کا بیان ہے کہ حضرت نے بخارا میں آٹھ

برس قیام فرمایا اور یہاں کے لوگ آپ کے خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کو ”بہاؤ الدین فرشتہ“ کہنے لگے۔ صاحب خریئتہ الاسرار کے الفاظ یہ ہیں:

”در خراسان و بخارا شہرے عظیم یافتند کہ اہل آبخا ایشاں را بہاؤ الدین فرشتہ می

گفتند“

عبادت و ریاضت:

حضرت شیخ الاسلام خراسان اور بخارا کی تمام درس گاہوں سے استفادہ کرنے کے بعد تزکیہ نفس میں مصروف ہوئے اور بیس سال تک لگاتار اس قدر سخت مجاہدہ کیا کہ اس کی تفصیلات پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ صاحب خلاصۃ العارفین لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ کسی نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ اپنے مجاہدہ کا کوئی واقعہ بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی کیفیت بیان کرنا مناسب نہیں کہ اس سے غرور کا اظہار ہوتا ہے اور طالب کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کی محنت برباد نہ ہو جائے مگر پھر بھی آپ کی خاطر اتنا ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ فقیر بیس سال تک ایک چھٹانک پانی اور ایک چھٹانک طعام پر روزہ افطار کرتا رہا ہے اور یہ ایک ایسا ادنیٰ مجاہدہ ہے کہ جسے ہر مبتدی طبیعت پر غلبہ پانے کے لیے باسانی کر سکتا ہے، اس کے بعد حج کی نیت سے ارض پاک کو روانہ ہوا“

اور اگر من سے مراد آدھ سیرلی جائے تو دس سال میں شیخ الاسلام نے 45 من خالص گھی کھایا۔ چونکہ یہ انتہائی مبالغہ آرائی ہے اور صوفیائے کرام کے مجاہدات و ریاضت کے خلاف ہے اس لیے ہم اس مجاہدہ کی نفی کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس خلاصۃ العارفین کا جو نسخہ ہے اس میں سطور نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا مجاہدہ ہر قدم پر دو گانہ ادا کرنا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے یہ کیسے واجب العمل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ملتان سے ارضِ پاک کی طرف اس ہیئت سے روانہ ہو، ایک دن میں ایک میل بمشکل سفر کر سکے گا۔ پھر راستے میں ندی نالے اور دریا بھی آتے ہیں۔ باغات اور محلات بھی، کوچے تنگ اور غلیظ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا پروگرام بنا کر گھر سے چلے تو ایک دنیا تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو جائے۔ اگر حضرت شیخ الاسلامؒ اس ہیئت سے ارضِ پاک کے سفر پر روانہ ہوتے تو ہزاروں مرید آپ کے ساتھ چل پڑتے اور سب آپ کی اقتداء میں قدم قدم پر سجدہ کرتے اور ایک شہر سے گزرتے گزرتے کئی دن لگ جاتے۔

خلفائے راشدین، ائمہ معصومین اور اولیائے کاملین نے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کا جو سفر کیا ہے اس میں انہوں نے یہ التزام رکھا کہ جہاں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرمایا کرتے تھے، وہیں انہوں نے شب بسر کی اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیں ادا کی تھیں، وہیں نمازیں پڑھیں۔ مگر کسی تاریخ میں یہ نظر سے نہیں گزرا کہ کسی بزرگ نے قدم قدم پر دو گانہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا ہو، البتہ قدم قدم پر دل نے سجدہ کیا ہو تو اور بات ہے۔

مجاہد کی تعریف!

ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے مجاہدات کی جو تعریف کی ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہر شب دو گانہ خوردن و یک خرد و اردو کردن کی گپ بے اصل ہے۔ کسی موقع پر ایک مقرب نے دست بستہ عرض کی، حضور مجاہدہ کی تعریف کیا ہے؟

فرمایا:

”مجاہدہ ایس است کہ ہر چہ نفس آرزو کند تا بسیت سال آن آرزو بدو نرساند“
یعنی نفس جس چیز کی آرزو کرے بیس سال تک وہ خواہش پوری نہ کی جائے۔

اس کے بعد فرمایا:

”میں نے جو ابتدائی مجاہدے کا ذکر کیا ہے یہ میرے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ تو محض ابتدائی صورت ہے ورنہ مردانِ خدا تو ستر سال تک نفس کو آب و طعام کے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے اور اسے شبانہ روز عبادت و اطاعتِ الہی میں مقید رکھتے ہیں، البتہ یہ مجاہدہ کی صحیح تعریف ہو سکتی ہے۔“

نیز فرمایا:

”میں نے یہ مشقت اور ریاضت ربِّ کعبہ کی محبت اور رضا جوئی کے لیے کی۔ یہاں تک کہ ارضِ مقدس میں جا پہنچا۔ حج کیا اور عرفات کی پہاڑی پر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے تین سال کامل اپنی خدمت میں رہنے کا شرف بخشا۔ خداوند کریم کے فضل و احسان سے اس دوران ہی میں نے بڑا فیضان حاصل کیا۔ اس کے بعد جدید احرام باندھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ پانچ سال یہاں رہ کر حضرت کے قدموں کی خاک پاک کی برکت سے انورِ الہی کا ظاہری اور باطنی مشاہدہ کیا۔“

مولانا جمالی کا بیان:

مولانا جمالی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نے پانچ سال کامل جواری رسول میں بسر کیے۔ ان دنوں مولانا کمال الدین محمد یمنی جو اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے، حرمِ نبوی میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت ان کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور ان کے زانو سے زانو جوڑ کر حدیث کا درس لیتے رہے۔ ہر سال حج کے موقع پر مولانا کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے اور حج کے بعد واپس لوٹ آتے۔ جب حضرت شیخ الاسلام نے حدیث شریف کا تمام علم ازبر کر لیا تو زمانے کی رسم کے مطابق مولانا سے حدیث پڑھانے کی سند حاصل کی اور ان سے مزہن ہو کر بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام حرم شریف میں قبہ مبارک کے دائیں جانب ایک خاص مقام پر معتکف رہا کرتے تھے جو بعد میں آپ سے منسوب ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ مولانا جمالی جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی مقام کو عبادت و اطاعت کے لیے پسند کیا۔

فرماتے ہیں:

”ای احقر الانام کہ در ایاں در حرم رسول ﷺ بود۔ بداں موضع مشغول شدے، دے ماندے و فیض بردے۔“

اژدھا سے مقابلہ:

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ سے شیخ الاسلام بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت کی۔ اس کے بعد دمشق پہنچے۔ یہاں شہر کے باہر ایک خوفناک اژدھا رہتا تھا جو بے شمار آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ ایک مرتبہ آپ بھی وہاں سے گزرے۔ اژدھا آپ کو دیکھ کر پھنکارتا ہو باہر نکلا۔ جب قریب آیا، حضرت نے اپنی چادر اُس پر دے ماری۔ اژدھا مر گیا اور حضور آگے بڑھ گئے۔ اس انعی نے بے شمار آدمیوں کی جان لے لی تھی۔ جب یہ خبر شہر میں پہنچی تو لوگ جوق در جوق زیارت کو حاضر ہوئے۔ پانچ سال تک دمشق کے علماء اور مشائخ آپ کے آگے زانوئے ادب تہہ کر کے استفاضہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے سمرقند کا رخ کیا۔

ایک باخدا درویش سے ملاقات:

یہاں ایک باخدا درویش کا بڑا چرچا ہو رہا تھا۔ آپ مرشد کی تلاش میں ملک ملک کا دورہ کرتے پھرتے تھے۔ جب لوگوں سے اس کی شہرت سنی تو طویل سفر طے کرنے کے بعد اس خدا دوست بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان پر استغراق کا عالم طاری تھا۔

آپ ایک عرصے تک لگاتار اُن کے پاس جاتے رہے لیکن وہ متوجہ نہ ہوئے۔ دو برس کے بعد وہ بزرگ ہوش میں آئے۔ آپ پر نظر ڈالی، حضرت شیخ الاسلام اسی ساعت کے منتظر تھے، بڑھ کر قدم بوس ہوئے۔ فرمایا:

”آپ کا آنا مبارک ہو، آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی، مگر ہاں! درویشوں کی خدمت سے دونوں جہاں کی مرادیں ملتی ہیں“

”بہاؤ الدین، سن! تیس سال ہو چکے ہیں کہ یہ فقیر بحر تجلیات میں مستغرق ہے اور آنے جانے والوں سے بے خبر۔ آج دوست کا حکم ہوا ہے کہ آپ سے ہمکلام ہو کر اپنی حالت سے آگاہ کروں“

اے عزیز! درویش کے لیے مخلوق کی محبت سے بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ مضر نہیں، کیونکہ وہ جس قدر خلقت سے نزدیک ہوتا ہے، اسی قدر خالق سے دور ہو جاتا ہے۔

یہ کہہ کر اپنا مصلیٰ اور مٹھی بھرا اشرفیاں حضرت کو عنایت کیں اور فرمایا:

”یہ آپ کا زورِ راہ ہے۔ آپ کو بہت دور جانا ہے۔ اب تشریف لے جائیے“

ابھی یہ فقرہ پوری طرح سے ادا بھی نہ ہوا تھا کہ وہ طالب صادق آنکھوں سے

اوجھل ہو گیا۔

مرشد کے حضور میں:

حضرت شیخ الاسلام کے لیے بڑے اضطراب کا زمانہ تھا۔ سا لہا سال سے مرشد کی تلاش میں صحرا نوردی کرتے پھرتے تھے۔ دو برس جس اُمید اور آرزو میں بسر ہوئے تھے، آج اس پر بھی پانی پھر چکا تھا۔ نئی اُمنگ اور نئے ولولوں کے ساتھ ایک نامعلوم سمت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ذوق و شوق کی بے تابی اور نورِ وحدت کی کرنوں کی گدگدی نے آپ کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہ دیا۔

سچے جو پائے حقیقت کی طرح کئی دن اور کئی راتیں لگاتار سرگرم سفر رہے، یہاں

تک کہ بخت کی بیداری نے ایک دن آپ کو ادب اور ”ہیبت حق“ کے ایسے متبرک مقام پر لاکھڑا کیا جہاں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ خالق کونین کی بھولی بھٹکی مخلوق کو نیکی کا راستہ دکھانے میں مصروف تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی مجتہس نگاہوں کو شیخ الشیوخ کی ذات میں کچھ ایسے کمالات اور مکاشفات نظر آئے کہ انہوں نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا کہ یہی کعبہ مقصود ہے۔ انتہائی ادب و احترام سے قدموں میں جھکت گئے۔ گلوگیر ہو کر عرض کی:

ما بعشق تو نہ امروز گرفتار شدیم

کہ گرفتاری مابا تو ز روز اول است

شیخ الشیوخ نے حضوت کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ شیخ الاسلام دیر تک اس سینہ بے کینہ سے جو انوار الہی کا معدن اور سرچشمہ تھا، چمٹے رہے۔ جب طبیعت کو ذرا سکون ہوا تو ارادت و عقیدت کے ساتھ ہوشمند طالب علم کی طرح دوزانو ہو بیٹھے۔

شیخ جلال تبریزی:

سید جلال تبریزی کے نام سے ایک بزرگ حضرت شیخ الشیوخ کے آستان پر رہتے تھے۔ تین چار ملاقاتوں میں ارتباط اس قدر بڑھا کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئے اور حضرت شیخ الشیوخ سے عرض کی کہ مجھے شیخ بہاؤ الدین زکریا سے بڑی محبت ہے۔ اگر ارشاد عالی ہو تو میں بھی ان کے ہمراہ چلا جاؤں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے اجازت دے دی اور دنیاے تصوف کے یہ شمس و قمر بغداد سے ملتان کو روانہ ہو گئے۔

عظمتِ مُرشد:

ان دنوں بخارا کے راستے سے ملتان آنا پڑتا تھا۔ جب یہ بزرگوار سفر طے کر کے نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ علماء و مشائخ سے ملنے کے لیے شہر میں

تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الاسلامؒ اپنی منزل گاہ میں ہی مصروف عبادت رہے۔ ملاقات کے بعد واپس آئے تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے ان سے پوچھا کہ آج کی سیر میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا؟

فرمایا: ”شیخ فرید الدین عطار کو“

پوچھا: ”کیا کیا باتیں ہوئیں؟“

کہا: ”انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا“

”آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا؟“

میں نے عرض کی: ”بغداد سے آیا ہوں“

پھر پوچھا:

”وہاں کون درویش سب سے زیادہ عبادت الہی میں محو ہے؟“

میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے مرشد شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

کا ذکر کیوں نہ کیا؟

شیخ تبریزی نے جواب دیا:

”شیخ فرید الدینؒ کی عظمت میرے دل پر ایسی چھا رہی تھی کہ ذہن حضرت شہاب

الدین سہروردیؒ کی طرف منتقل نہ ہو سکا۔“

یہ جواب حضرت شیخ الاسلامؒ کو نہایت شاقی گزرا۔ فرمایا: جس کا ذہن اپنے

مرشد کے معاملے میں سہو کا شکار ہو سکتا ہے، اس سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر فوراً

مصلیٰ کندھے پر رکھا اور ملتان کو چل پڑے۔

عروس البلاد ملتان

شیخ الاسلام کی زندگی کا تبلیغی دور:

حضرت شیخ الاسلام کی غیر حاضری میں عروس البلاد ملتان اور کوٹ کروڑ نے جو جو انقلابات دیکھے، وہ بجائے خود ایک لمبی داستان ہے۔ ہم تفصیل میں نہیں جاتے، مختصر یہ ہے کہ ملتان کے قرامطہ کے اقتدار پر ۵۷۱ ہجری میں محمد غوری کے ہاتھوں کاری ضرب لگ چکی تھی۔ اگر انہیں لاہور کے حاکم خسرو ملک کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے۔ لیکن چونکہ ادھر سے برابر شبہ مل رہی تھی، اس لیے دیہات میں ان کا پورا اثر موجود تھا۔ سلطان نے ۵۷۶ ہجری ۱۱۸۰ء میں لاہور پر یلغار کی لیکن خسرو ملک قلعہ بند ہو گیا اور افواج سلطانی ناکام واپس لوٹ گئیں۔

۵۸۰ ہجری ۱۱۸۳ء میں سلطان پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا اور سیالکوٹ پر قبضہ کر کے اس کے قلعہ کی مرمت کرائی۔ ۵۸۲ ہجری ۱۱۸۶ء میں لاہور پر آخری حملہ ہوا، اور سلطان خسرو ملک کو گرفتار کر کے ہمراہ لے گیا۔

۵۸۳ ہجری ۱۱۸۷ء میں خسرو اور اس کے تمام خاندان کو سلطان غیاث الدین کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے انہیں جرجستانی کے قلعہ میں قید کیا اور خوارزم شاہ کے حملے میں سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ خسرو آل سبکتگین کا آخری چشم و چراغ تھا۔ دستور کے مطابق اس خاندان کا ستا، ہ اقبال بھی دو سو سال میں اپنا دورہ پورا کر کے ایسا غروب ہوا کہ پھر نہ ابھرا۔

۵۹۹ ہجری ۱۲۰۲ء تک سلطان ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے سرگرم پیکار رہا۔ ۶۰۰ ہجری ۱۲۰۳ء میں خوارزم شاہ پر حملہ کیا، مگر شکست کھائی اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کا ایک غلام ایک نامی ہمراہ تھا۔ اس نے سمجھا کہ سلطان مارا گیا، اسے سندھ کی حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے بادشاہ کے مرنے کی افواہ پھیلا دی اور خود بگولہ بن کر ملتان پہنچا۔ یہاں سلطان کی طرف سے امیر حسن حکومت کرتا تھا۔ اسے دربار میں

جا کر ملا اور کہا کہ مجھے آپ کو بادشاہ کا پیغام دینا ہے اور آج کل جو حوادث گزرے ہیں، ان کی بابت کچھ بیان کرنا ہے، خلوت میں چلیے۔

امیر حسن بلاتامل اس کے ہمراہ محل میں چلا آیا۔ یہاں ایک ترکی غلام تاک میں بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً گردن اڑادی۔ پھر دربار میں آیا اور ایک جعلی فرمان دکھا کر اعلان کیا کہ امیر حسن سلطان کے حکم سے کیفر کردار کو پہنچا، آج سے میں اس ولایت کا حاکم ہوں۔ امراء نے بلاتامل اطاعت کر لی، لیکن جب لگھڑوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے ارادے سے نکل پڑے اور جہلم و سوہدرہ میں سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری تازہ دم ہو کر غزنی پہنچا۔ یہاں یلدوز بگڑا بیٹھا تھا۔ اس نے شہر میں نہ گھسنے دیا۔ یہاں سے ملتان پہنچا، ایک مقابلے میں نکلا۔ ایک معمولی جھڑپ کے بعد سلطان نے اسے گرفتار کر لیا۔ پنجاب سے سپاہ جمع کر کے غزنی کی طرف متوجہ ہوا اور یلدوز کو مطیع کیا۔ انہی ایام میں خوارزم شاہ کا ایلچی آیا اور صلح ہو گئی۔

۶۰۰ ہجری آزمائش اور ابتلاء کا سال تھا۔ تمام سرداروں نے سلطان کی اطاعت

کا جو کندھے سے اتار پھینکا تھا، صرف قطب الدین ایبک ہی وفادار رہا۔

۶۰۲ ہجری میں سلطان نے لگھڑوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ قطب الدین ایبک

بھی دلی سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، دونوں نے مل کر لگھڑوں کی خوب گوشمالی

کی۔

لگھڑوں کا مذہب:

لگھڑوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ جس کے ہاں لڑکی ہوتی، وہ دروازے پر لے

کر کھڑا ہو جاتا اور پکارتا کہ کوئی اسے اپنی زوجیت میں لینے کو تیار ہے؟ اگر کوئی قبول

کرتا تو اس کے حوالے کر دیتا، ورنہ جان سے مار ڈالتا۔ ایک ایک عورت کئی کئی خاوند کرتی

تھی۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ اگرچہ شاہی فوج نے ان کا کچھ مرزا

دیا تھا، مگر پھر بھی یہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ سلطان یہاں سے لاہور چلا گیا، جتنے دن وہاں قیام رہا لگھڑ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ لاہور اور غزنی کی سڑک ان کے علاقے سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہ راستہ مسلمانوں پر بند ہو گیا۔

لگھڑوں کا قبولِ اسلام:

انہی ایام میں ایک مسلمان لگھڑوں کے ہاں قید ہو کر آیا۔ اس نے لگھڑوں کے سردار کے سامنے اسلام کی خوبیاں اس طرح سے بیان کیں کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر میں سلطان کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

قیدی مسلمان نے جواب دیا کہ میں اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ وہ تیرے ساتھ شاہانہ سلوک کرے گا اور اس پہاڑی علاقے کی حکومت تجھے دے دے گا۔ لگھڑوں کا رئیس اس بیان پر مسلمان ہونے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ قیدی مسلمان نے یہ صورت حال سلطان کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ سلطان نے فوراً خلعتِ فاخرہ اور مَرُصِح کمر بند سردار کے لیے ارسال کئے۔ اس پر وہ بے جھجک سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

سلطان نے قیدی مسلمان کے وعدے کو ایفاء کرتے ہوئے کوہستانی علاقے کی حکومت اس لگھڑ کے سپرد کی۔ وہ فرمان لے کر اپنے وطن میں واپس آیا اور اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو مسلمان بنایا۔ انہی دنوں دریائے سندھ اور غزنی کے درمیانی علاقے کے پہاڑی باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

قرامطہ کی تباہی:

سلطان لاہور سے ملتان پہنچا۔ یہاں ابھی تک قرامطہ غالب تعداد میں موجود تھے۔ چُن چُن کر ان کا خاتمہ کرایا اور ملتان کی سرزمین کو کفر و الحاد کی اس لعنت سے ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا۔ جب سارے ملک میں امن ہو گیا تو سلطان نے غزنی جانے

کا ارادہ کیا اور وائی بامیاں کے نام حکم ہوا کہ دریاے جیحوں کے کنارے پر لشکر جمع کرے اور پل تیار کرے، کیونکہ ہم ترکستان کے کافروں سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

غرض کو کتبہ اجلال حرکت میں آیا اور ۲ شعبان کو سراپردہ شاہی دریاے سندھ کے ایک پُرفضا مقام پر نصب ہوا۔ ایک رات قرامطی گکھڑوں کے چند بد معاش و جوان جن کے اعزاز و اقارب لشکر شاہی کے ہاتھوں مارے گئے تھے، دریا کو عبور کر کے آدھی رات کے وقت خیمہ میں گھس گئے اور سلطان کو خجروں سے شہید کر ڈالا۔

بادشاہ کا جنازہ بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت سے غزنی کو روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور امیر ہمراہ تھے اور آہ و بکا کرتے تھے۔ جب جنازہ غزنی کے قریب پہنچا تو حاکم غزنی تاج الدین یلدوز استقبال کو آیا۔ اس نے فوراً رخ سے زرہ بکتر پھینک دیا، بالوں کو بکھیرا اور سر میں خاک دھول ڈال لی۔ کم و بیش یہی کیفیت باقی امراء کی تھی۔

شیخ الاسلام کی آمد:

حضرت شیخ الاسلام سکون و اطمینان سے ملتان کو چلے آ رہے تھے۔ جب غزنی کے مضافات میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ملتان کے فرمانروا سلطان ناصر الدین قباچہ اور غزنی کے خلیجیوں کے مابین لڑائی چھڑ چکی ہے، اس لیے آگے جانے کا کوئی راستہ محفوظ نہیں ہے۔ خلیجیوں کے بے شمار قبائل جنوب مشرقی افغانستان میں آباد تھے اور کافی منظم تھے۔ روزانہ ہزاروں مردان کار آتما بھرتی کر کے محاذ جنگ پر بھیجے جا رہے تھے۔ حضرت چپ چاپ یہ کیفیت دیکھتے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کا ورود ایسے گاؤں میں ہوا جہاں سے قباچہ کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ یہ پُرفضا اور کوہستانی مقام تھا۔ آپ چند ایام کے لیے یہیں رہ پڑے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اس نواح میں آپ کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو لوگ جوق در جوق رشد و ہدایت کے اس سرچشمہ پر جمع ہو گئے۔ ہزاروں فاسق و بدکار آپ کی توجہ سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ سینکڑوں نے جنید اور بایزید کا مرتبہ پایا۔

کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ خلیجیوں کو اس جنگ میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور اب وہ دہلی کے تاجدار سلطان شمس الدین التمش کے پاس امداد کے لیے اڑے چلے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے سلطان کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ اس کی عسکری طاقت بہت مضبوط ہے۔ دو سال پہلے غزنی کے حاکم تاج الدین یلدوز نے جب اس سے ٹکر لگائی تھی تو اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ ناصر الدین قباچہ سے بھی اس کے تعلقات اچھے نہیں، یقیناً گھمسان کارن پڑے گا اور اس سے ملتان کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

چند ماہ بعد اطلاع ملی کی سلطان خلیجیوں کی مدد کو بڑھا چلا آتا ہے۔ حضرت ملتان کو روانہ ہونے والے تھے کہ یہ خبر سن کر رُک گئے۔ اگرچہ یہ انتشار کا زمانہ تھا اور عوام سیاسی پیچیدگیوں کے سبب پریشان سے ہو رہے تھے، اس کے باوجود حضرت کے گرد و پیش ہزاروں سعید زوحیں مور و ملخ کی طرح جمع رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام بہت جلد ملتان پہنچنے کے آرزو مند تھے، اس لیے پتہ کرتے تھے کہ ملتان کا راستہ کھلا ہے یا نہیں؟

ایک دن خبر ملی کہ دریائے چناب کے کنارے دونوں بادشاہوں کا سخت مقابلہ ہوا ہے اور قباچہ شکست کھا کر سندھ کو بھاگا چلا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب ملتان کی خیر نہیں، دوسرا معرکہ یقیناً اس شہر میں ہوگا۔ لیکن حضور نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ التمش دین دار بادشاہ ہے اور وہ ناحق بندگانِ خدا کا خون نہیں گرائے گا۔

چنانچہ تیسرے دن حضرت کے ارشادِ گرامی کی تصدیق بھی ہو گئی۔ محاذِ جنگ سے آنے والوں نے بتایا کہ سلطان دہلی کو واپس لوٹ گیا ہے اور انہوں نے کبہ شہی کو اپنی آنکھوں سے واپس جاتے دیکھا ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت شیخ الاسلام اپنی مسند پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں اب یہاں اور قیام نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت جلد ملتان پہنچنا ہے۔ یہ کہہ کر سب سے رخصت ہوئے اور تنہا ملتان کو چل دیئے۔ صاحب انوار غوثیہ کے بیان کے بموجب حضرت ۶۱۴ ہجری

میں بغداد سے روانہ ہوئے تھے اور گمان اغلب یہی ہے کہ حضرت ۶۱۵ ہجری کے آغاز میں ہی اس مینوسواد خطہ سے ملتان کا رخ کیا ہوگا۔ یہ مقام آپ کے نام کی رعایت سے شیخ بہاؤ الدین مشہور ہو گیا تھا۔ آج کل شیخ بدین کہلاتا ہے اور صوبہ سرحد کا صحت افزاء مقام ہے۔

قرآن السعدین:

شیخ شرف الدین قریشی لکھتے ہیں کہ جب مخدوم عبدالرشید کو کشف کے ذریعے آپ کی آمد کا علم ہو گیا تھا۔ جونہی آپ ملتان میں داخل ہو گئے، شیخ عبدالرشید فوراً دیول دروزے پر پہنچے اور شیخ الاسلام سے بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دولت خانہ کو روانہ ہوئے، آگے نوکر چاکر اور اعزاء واقارب انتظار میں تھے۔ سب سے مصافحہ و معانقہ کرنے کے بعد خلوت میں تشریف لے گئے اور والدہ ماجدہ کو یاد کر کے بہت روئے۔

کاسہ شیر:

صاحب خزینۃ الاصفیاء اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ جب حضرت ملتان میں تشریف لے آئے اور طالبان حق فوج در فوج حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو اکابر ملتان کو آپ کی عالم گیر شہرت پر حسد ہوا اور دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ خدمت اقدس میں ارسال کیا۔ اس سے اشارہ یہ تھا کہ ملتان اس پیالہ کی طرح مشائخ اور علماء سے بھرا پڑا ہے، آپ کی یہاں گنجائش کہاں؟

حضرت کے آگے اس وقت گلاب کے پھول رکھے تھے۔ آپ نے ایک پھول اس پیالے میں ڈال کر واپس بھجوا دیا۔ گویا جواب یہ تھا کہ ”اس پھول کی طرح ہم نہ صرف یہاں سما سکتے ہیں، بلکہ ہماری شہرت اور نیک نامی یہاں کے جملہ باخدا اور درویش پر غالب آئے گی۔“

حضرت کے معمولات:

حضرت شیخ الاسلام اب متاہل ہو چکے تھے۔ مخدوم عبدالرشید کے اہل و عیال اور ان کے نامور بھائی بھی آپ کے دامن سے وابستہ تھے۔ ایک بڑا خزانہ جو اسلاف سے ترکہ میں ملا تھا، تن آسانی اور عیش کوشی کی دعوت دینے کو موجود تھا، لیکن وہ پیکر نور جسے عنقوان شباب میں دنیا کے رنگ و روغن کی ملمع کاری دھوکہ نہیں دے سکتی، اب اس کے فریب میں کیسے آسکتا تھا۔ قلعہ قدیم پر محل تعمیر ہوا، لیکن فقراء اور مشائخ کے لیے۔ مگر اہل و عیال کے لیے حجرے اور سرائیں معرض وجود میں آئیں۔ حضرت کی اپنی حالت یہ تھی کہ لاکھوں اشرفیاں قدموں میں پڑی چکا کرتی، لیکن حضور ان سے بے پرواہ ہو کر ”جبین نیاز“ خاک عبودیت پر رکھے اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے تھے۔ سنہری روپہلی سکوں کے اس بڑے خزانے کو اس ذات مقدس کی نگاہوں میں کبھی خنزف ریزوں کے ڈھیر سے زیادہ مقام حاصل نہ ہوا۔

گویا:

چست دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

ایک مصنف کی شیخ الاسلام کی ملتان میں آمد کے بارے میں درج ذیل رائے

ہے:

”جب آپ بغداد سے اس ملک میں آئے تو باعث دوستی مخدوم شیخ یحییٰ

گردیزی، سجادہ نشین حضرت شاہ گردیز اس شہر میں سکونت اختیار کی“

ہمیں مذکورہ اقتباس سے یکسر اختلاف ہے کیونکہ حضرت شیخ الاسلام مرشد کے حکم

سے ملتان تشریف لائے تھے اور مرشد طریقت کی طرف سے ہی اس شہر کے عوام کی روحانی

تربیت پر مامور ہوئے تھے۔ کسی دوست کی کشش انہیں یہاں لے آنے کا موجب نہیں ہوئی

تھی۔ حضور اس شہر کے باطنی حاکم تھے جس کا علم تمام اولیائے کاملین کو ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی جاتے ہوئے یہاں سے گزرے اور سلطان ناصر الدین قباچہ نے انہیں ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی تو آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

”ملتان برادر م بہاؤ الدین کی تحویل میں دیا جا چکا ہے، ہم یہاں کیسے رہ سکتے ہیں“

یہ کہہ کر دہلی کو روانہ ہو گئے۔

اس طرح مؤلف ”تذکرہ الملتان“ کو مخدوم شاہ یوسف گردیزی کے معاملے میں بھی غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے بڑی بے تکلفی سے حضرت شیخ الاسلام محمد یوسف گردیزیؒ کو جو روحانی اعتبار سے شہنشاہ دنیا و دین تھے، انہیں فقر و ولایت کی تاجداری سے ہٹا کر اس شہر کا صوبے دار بنا ڈالا، یعنی وہ قطب دوراں غوث زماں حضرت مخدوم علی قسور گردیزیؒ کی طرف سے اہل ملتان کی اصلاح احوال پر مامور ہو کر نہیں آئے تھے، بلکہ ابراہیم شاہ غزنوی کی طرف سے اہل ملتان کی اصلاح احوال پر مامور ہو کر نہیں آئے تھے، بلکہ ابراہیم شاہ غزنوی کی طرف سے ملتان کے صوبہ دار بن کر آئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”حضرت مخدوم یوسف گردیزی کے جد بزرگوار نے حسب استخارہ منجانب اللہ انہیں اس ملک میں آنے اور اسے آباد کرنے کی رخصت عطا کی“ اور فرمایا:

”تمہیں ملتان کی اصلاح پر مامور کیا گیا ہے، وہاں جا کر سکونت اختیار کرو، تم

اور تمہاری اولاد وہاں ہمیشہ عزت و آبرو سے رہے گی“

یہاں تک تو صحیح ہے، لیکن آگے جو کچھ لکھا ہے اس کا حقائق سے کچھ بھی تعلق نہیں

ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

”نیز بادشاہ وقت نے جوان کے معتقدوں میں سے تھا، اس خبر کے سنتے ہی فرمان معافی ملک ملتان بطر نیاز قدیمی ان کے نام لکھ دیا اور حضرت مخدوم نے بھی اپنی طرف سے کچھ وجہ پیش کش سالانہ دنیا منظور کی۔ الغرض جد امجد کے انتقال پر با اجازت والد نامدار بہت سے اسباب و سامان ظاہری کے ساتھ اس ملک میں رونق بخشی۔ اس شہر کو جو راجگان کے وقت سے ویران پڑا ہوا تھا، آباد کیا۔ ان کے عدل و انصاف کا شہرہ سن کر دُور دُور سے لوگ آ کر اس شہر میں آباد ہوئے۔ حضرت مخدوم موصوف تو عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے اور انتظام ملک کا پر دازوں کے سپرد تھا۔“

اندازہ فرمائیے! اس کا ملخص یہ ہے کہ:

- ۱۔ بادشاہ نے اس ملک کا پروانہ آپ کو مرحمت کیا۔
 - ۲۔ آپ بادشاہ کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔
 - ۳۔ دادا کی وفات پر والد بزرگوار کی اجازت سے بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ گھر کا جملہ مال و اسباب لا کر ملتان تشریف لائے۔
 - ۴۔ یہ شہر راجوں کے وقت سے ویران پڑا تھا۔
 - ۵۔ خود عبادت میں مصروف رہتے تھے اور ملک کا انتظام کارندے چلاتے تھے۔
- نمبر ۱، ۲، ۳ میں حضرت کو بادشاہ کا ماتحت صوبے دار ثابت کیا گیا ہے۔
- نمبر ۳، امر واقعہ کے خلاف ہے۔ آپ کے والد سید ابو بکر مخدوم سید علی قصور کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ حضور اپنے ہمراہ کوئی چیز نہیں لائے تھے۔
- شیر پر سوار تھے اور سانپ ہاتھ میں تھا۔ یہی کچھ آپ کی کائنات تھی۔ اللہ والے ظاہری اسباب کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔

نمبر ۴، یہ قطعاً غلط ہے کہ ملتان شہر راجوں کے وقت سے ویران چلا آتا تھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسلامی دور میں اسے جو فروغ نصیب ہوا، راجوں کے زمانے میں یہ بات کہاں تھی۔

نمبر ۵، یہ ارشاد ہوا کہ خود تو مصطفیٰ نشین تھے، مگر امور مملکت کارندے چلاتے تھے۔ یہ اصول جہان بانی کے خلاف ہے۔ آج تک کوئی فرمانروا حکومت کے کاروبار کارندوں کے سپرد کر کے مصطفیٰ نشین نہیں ہوا۔ البتہ تخت و تاج اکثر بادشاہوں نے درویشی قبول کرنے پر از خود دوسروں کے حوالے کیا ہے۔ جیسے سلطان حمید الدین حاکم اور حضرت ابراہیم ادھم کے بارے میں مشہور ہے۔ اب شیخ الاسلام گو حضرت مخدوم سیدی یحییٰ کا دوست قرار دے کر اپنی گدی کا طفیلی بنانا مقصود ہے، جس کی تائید کسی تذکرے سے نہیں ہوتی۔

تبلیغی سرگرمیاں:

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی خانقاہ عالیہ کے پہلو میں ایک علمی، دینی اور صوفیانہ درس گاہ کی بنیاد رکھی جس کے دو شعبے تھے۔ ایک علماء پیدا کرنا تھا اور دوسرا مبلغین۔ مبلغین کے لیے ضروری تھا کہ جس ملک میں انہیں بھیجا جائے انہیں وہاں کی زبان اور ثقافت سے پوری واقفیت ہو، تاکہ وہ وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کریں۔ اس لیے آپ نے ہر ملک سے ایک ایک فاضل عالم طلب کر کے اپنی درس گاہ میں ملازم رکھا۔ اسے معقول تنخواہ اور رہائش کا تسلی بخش انتظام فرمایا۔

جب علماء فارغ التحصیل ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ایک ایک کو الگ الگ بلا کر پوچھتے کہ کیا تم فی سبیل اللہ تبلیغ کرنے کو تیار ہو؟ اس طرح کافی نوجوان از خود اپنے آپ کو اس مقصد کے لیے پیش کرتے تھے۔ جو جس ملک میں جانا چاہتا، وہ اسی

کمرے میں اسی علاقے کی زبان اور ثقافت کی تعلیم حاصل کرتا۔ دو سال کے بعد شیخ الاسلامؒ اس مبلغ کے استاد محترم کو پانچ ہزار اشرافی عنایت کرتے کہ شہر سے اس ملک کے لیے مفید اور ضروری سامان خرید کر کے ایک کشتی میں ترتیب دو اور پھر یہ جہاز اپنی دعاؤں کے سایہ میں منزل مقصود کو روانہ فرماتے۔ چلتے وقت مبلغ کو ہدایت فرماتے:

سامان کم منافع پر فروخت کرنا۔

لین دین میں اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھنا۔

ناقص چیزوں کو فروخت نہ کرنا بلکہ فقراء اور مساکین کو مفت دے دینا۔

خریداروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو، ان پر اسلام پیش نہ کرنا۔

اس طرح یہ علمائے ربانیین سوداگروں کے لباس میں کشتیوں پر سامان تجارت لاد کر روانہ ہوتے اور جاوا، سماٹرا، فلپائن اور چین تک پہنچ کر دوکانیں کھولتے اور دیانت داری سے لین دین کرتے اور ساتھ ہی لوگوں کو اسلام پیش کرتے۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا اور لوگ ان کے حسن اخلاق، ان کی خدا ترشی، دین داری، دیانت داری اور معاملات میں صفائی ستھرائی دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے اور بالآخر اسلام قبول کر لیتے۔ آج مشرق بعید کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں یہ انہی تاجر مبلغین کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں۔

یہ تو خارجی جہد مسلسل کی کیفیت تھی۔ اس کے علاوہ ایک داخلی تبلیغ کا شعبہ تھا، جس کی نگرانی شیخ الاسلامؒ خود فرماتے تھے۔ واعظین اور مبلغین کرام کی متعدد جماعتیں کشمیر سے راس کماری اور گوادرسے بنگال تک مصروف عمل تھیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی آمد سے پہلے حضرت سلطان غنی سرور رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعتیں موجود تھیں، مگر صحیح قیادت میسر نہ

ہونے کے سبب ان میں سُستی اور بے راہروی سی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت نے ان کی بھی سرپرستی فرمائی۔ دس دس میلوں کے فاصلے پر ان کی قیام گاہیں مقرر ہوئیں، جہاں سرسبز اور گھنے درختوں کے سایہ تلے کئی کئی دنوں تک وعظ و نصیحت کی مجالس گرم رہتیں۔ سنال کے خاتمے پر مبلغین کے یہ گروہ جو آج کل ”سنگ“ اور ”جماعت“ سے موسوم ہیں، پانچ پانچ سو کی تعداد میں قال اللہ وقال الرسول سے لوگوں کے دلوں کو گرماتے ملتان حاضر ہوتے اور اپنی کارگزاری تفصیل سے بیان کرتے۔ ان گروہوں کا قائد خلیفہ کہلاتا تھا۔ ان اہل اللہ کی تبلیغی سرگرمیوں کو دیکھ کر عیسائی مشنریوں نے بھی اپنے پادری دیہاتوں میں روانہ کئے۔ یہ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں طوفانی دورے کرتے رہے اور مسلمان درویشوں کی طرح صوفیانہ انداز میں تبلیغ کرنے کی کوشش کی۔

برصغیر کے ہر ضلعی صدر مقام پر مشن کی طرف سے عالیشان گرجے اور ان کے پہلوؤں میں تبلیغی مراکز قائم کئے، عوام میں لاکھوں روپے کی ادویات مفت تقسیم کیں، غرباء کو پارچاٹ اور خوردنی اجناس سے نوازا۔ تالیف قلوبی کے لیے بہت کچھ کیا، مگر انہیں وہ ہر د عزیز ہی حاصل نہ ہو سکی جو حضرت شیخ الاسلام اور ان کے خلفاء کے مبلغین کو حاصل ہوئی تھی۔

حضرت کے خدام کو نہ روپے پیسے کی ضرورت تھی اور نہ مکانوں اور سواریوں کی۔ وہ آبادی، جنگل اور کوہ و صحرا میں ہر جگہ کندھے پر چادر رکھے پہنچ جاتے تھے اور اپنی سادہ معاشرت اور زاہدانہ عادت کے سبب سفر و حضر میں بلا تکلف گزارہ کر سکتے تھے۔ اپنی غیر پولیٹیکل اور خالص مذہبی زندگی کے سبب کوئی بھی حکومت انہیں قوم و ملک کے لیے چنداں خطرناک تصور نہیں کرتی تھی۔ اس لیے ان صوفیاء کو تمام اقوام میں اشاعت اسلام کے کافی اور عمدہ مواقع ملتے رہے اور یہی طریقہ اس قدر موثر ثابت ہوا کہ جہاں جہاں ان

درویشوں کے قدم پہنچے، وہاں دین اسلام کے چراغ جگمگا اٹھے۔ اس دور کے ہندو استدراک پر یقین رکھتے تھے اور ان کے جوگی، پنڈت اور برہمن روحانی شکتی کے لیے جنگلوں اور غاروں میں سخت مجاہدے کرتے تھے۔ بایں ہمہ وہ ان روحانی قوتوں کے مالک نہ بن سکے جو صوفیاء کو اسلام کے فیضان سے حاصل تھیں، اس لیے وہ معمولی جرح قدح کے بعد اسلام کی بے پناہ روحانی قوت کے آگے جھک جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت کے خدام نے تبلیغ کی جدوجہد زیادہ موثر بنانے کے لیے ہر قریہ اور آبادی میں علم الہیات کے مدارس قائم کیے، جنہیں خانقاہوں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ انہیں ملتان کے مرکزی تبلیغی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق انسانی کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسے روحانی سنٹر پنجاب اور سندھ کے چپہ چپہ پر قائم تھے اور جب یہ اللہ والے رشد و ہدایت کا علم لہرا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجا آوری کے لیے روانہ ہوتے تو ان کے آنے سے پہلے ہی لوگوں کو اطلاع ہو جاتی تھی اور وہ تمام کام نپٹا کر ان خدا شناسوں کے انتظار میں دیدہ و دل فرس راہ کر دیتے تھے۔

سہروردی فقراء ہر منزل پر ایک دو یوم ضرورت کے مطابق قیام کر کے تبلیغی مجالس ترتیب دیتے۔

صاحب حال صوفی اور نامور مشائخ اثر میں ڈوبی ہوئی تقریریں کرتے، جس سے سامعین کے قلوب لرز جاتے۔ فولاد طبائع نرم ہو کر موم بن جاتی تھی۔ خشونت آمیز نگاہوں سے خشیت الہی کی دھاریں پھوٹ پڑتیں، بڑے بڑے سنگ دل انسان خدا کے قہر و غضب اور اس کی بے پناہ گرفت سے کانپ اٹھتے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتے۔ ایک ہی نشست میں ہزاروں فاسق و بدکار تائب ہو کر قطب و ابدال بن جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تبلیغی جماعتیں جو اس مقصد کے لیے روانہ کی جاتی تھیں وہ اپنے نان نفقہ کا بوجھ کسی

پر نہیں ڈالتی تھیں بلکہ حضرت شیخ الاسلام کی طرف سے ان کو لاکھوں روپے کا سامان تجارت خرید کر دیا جاتا تھا۔ ہر پڑاؤ پر دوکانیں کھل جاتیں، نانوائی کھانا تیار کرتے، بزاز کپڑوں کی دوکانیں سجاتے اور بنجارے قسم قسم کا سامان لے بیٹھتے۔ محافظ دستہ جنگی مظاہرے کر کے نوجوانوں کو جہاد کے لیے ابھارتا، زور آزمائی ہوتی، گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی اور شمشیر افگنی کے کمالات سے مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی روح دوڑنے لگتی۔ حضرات علماء ایک جانب لاکھوں کے ہجوم میں قرآن و حدیث کے وعظ کرتے نظر آتے۔ دوسری طرف گچھے دار جھاڑیوں میں عارفان حق آگاہ کا حلقہ نظر آتا تھا، جس میں زنگ آلود قلوب نہ صرف صیقل ہوتے، بلکہ تزکیہ نفس، استغراق مراقبہ اور عبادات شرعیہ کے لیے انہیں تیار کیا جاتا تھا۔

سید صباح الدین عبدالرحمان ایم اے لکھتے ہیں:-

”ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔“

شیخ محمد نور بخش سلسلہ الذہب میں ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت کی تلقین فرماتے اور انہیں کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لے آئے اور ان کی شان بڑی تھی۔“

صاحب صفیۃ الاولیاء کے الفاظ یہ ہیں:

”حضرت بہاؤ الدین زکریا شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے اور یہیں

تو طن اختیار کیا۔ رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی۔ اس دیار کے تمام لوگ ان کے ہی مرید اور معتقد ہیں۔“

کسبِ حلال:

حضرت شیخ الاسلامؒ جب اپنے مرشد سے رخصت ہونے لگے تھے تو انہوں نے آپ کے لیے دین و دنیا کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا کہ دولت کے انبار قدموں میں پڑے چمکا کریں گے۔ بہت جلد دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ گوربِ جلیل نے دین اور دنیا دونوں کی سر بلندی عطا کی تھی۔ آپ کو آبائے کرام کی طرف سے بہت بڑا خزانہ ترکہ میں ملا تھا، جو آپ نے درویشوں کے لیے حجرے اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کرنے اور زکریا یونیورسٹی کے ابتدائی انتظامات پر خرچ رک دیا تھا۔ بایں ہمہ فتوحاتِ غیبی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ لاکھوں آتے اور لاکھوں خرچ ہوتے ہیں۔

اس زمانے میں دریائے راوی قلعہ سے ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اس کے ذریعے حضور کا سامان تجارت سکھر، بھکر، ٹھٹھہ، منصورہ اور پھر وہاں سے عراق، عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ خشکی کے راستے کابل، ایران، دہلی اور لاہور سے تجارت ہوتی تھی۔ حضرت اپنی اراضیات کی پیداوار ملک کی خام اجناس اور مصنوعات معتمد خدام کی معرفت دساور کو بھجواتے تھے۔ مبلغین کی طرح ان کو بھی ہدایات ہوتی تھیں کہ کم نفع پر بیچو اور دیانت داری سے معاملہ کرو۔ ہنرت کے کارندے جن میں اکثر اہل اللہ اور خدا یاد بزرگ تھے، نہایت دیانت داری سے معاملہ طے کرتے تھے جس سے آپ کو بیش از بیش نفع ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ کوٹ کروڑ میں حضرت کی جو ذاتی جائیداد تھی، اس سے بھی بڑی آمدن ہوتی تھی۔ تحصیل لودھراں میں واہی غوث الملک اور قلعہ پیر کے نام سے سرسبز اور زرخیز اراضیات سونا اگل رہی تھیں۔ حضرت کے زمانہ میں دریائے گھاگرا نہیں سیراب

کرتا تھا اور ان کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس وقت ان اراضیات کا پانی بھی میٹھا تھا، بعد میں دریا کے رُخ بدلنے سے ان علاقوں کا پانی کڑوا ہو گیا۔ یہ نہایت سیر حاصل رقبے تھے، لاکھوں روپے ان سے سالانہ یافت ہوتی تھی۔

نظامِ اوقات:

حضرت اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد تھے۔ کلام پاک کی تلاوت سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ آپ نے ۹۶ سال کی عمر پائی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ ہر رات کو قرآن شریف کا ایک ختم کرتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفاء کی کسی مجلس میں تشریف فرما تھے، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دے۔ حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی، آخر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری میں چوتھائی حصہ پڑھ کر سلام پھیر دیا۔“

حضرت شیخ الاسلام کی صحت آخر عمر تک قابل رشک رہی۔ چھیا نوے برس کی عمر میں بھی بالا خانے سے اتر کر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ روزانہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد دیوان خانہ میں مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوتے، اس وقت تمام علماء اور مشائخ بالالتزام حاضر ہوتے اور سلوک و معرفت کے دقائق حل کرتے۔ ملازمین تجارت، زراعت اور لنگر خانہ کے حسابات پیش کرتے۔ آپ ان کی پڑتال کراتے اور مناسب ہدایات فرماتے۔ اس دوران شہر اور مضافات کے غرباء اور مساکین پیش ہوتے، انہیں درہم و دینار، اجناس اور خلعتوں سے نوازا جاتا۔ دوپہر کو دولت خانے میں تشریف لے جا کر غذا تناول فرماتے اور جب روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے۔

خانگی امور بھی دوپہر کے وقت پیش ہوتے تھے، اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ

فرماتے۔ ظہر کو اذان ہوتی تو حضرت مسجد میں تشریف لا کر باجماعت نماز ادا فرماتے۔ اس کے بعد حجرے میں چلے جاتے اور کافی دیر تک اوراد و اذکار میں مصروف رہتے۔ ازاں بعد پھر مجلس منعقد ہوتی۔ اس میں تبلیغی جماعتوں کے وفد سے ملاقات کرتے اور ان کی کارگزاریوں کو سنتے اور ان کی مشکلات کو حل فرماتے۔ طالبان علم بھی بعض اہم معاملات لے کر پیش ہوتے۔ حضرت انہیں درس دیتے اور زیر بحث مسائل پر تقریر فرماتے تھے۔ اس وقت کسی کو سراٹھانے کی جرأت نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے ادب سے سنتا رہتا اور یوں محسوس کرتا گویا آسمان سے کوئی صحیفہ اتر رہا ہے۔

عصر کی اذان سن کر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور عام مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نماز ادا فرماتے۔ اس کے فوراً بعد منبر پر تشریف لے جاتے۔ قرآن و حدیث کا وعظ ہوتا۔ سامعین کی تعداد ہزار دو ہزار نہیں بلکہ بعض اوقات چالیس پچاس ہزار تک پہنچ جاتی۔ وہ چوتراہ جس پر حضرت نے بیس سال تک بلا ناغہ وعظ فرمایا ہے، اب تک روضہ مبارک کے مشرق میں موجود ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مشائخ کرام نے حضرت کا وعظ سن کر وجد کیا ہے، عام مسلمانوں نے ہدایت پائی ہے اور ہزار ہا غیر مسلم دین اسلام سے مشرف ہوئے ہیں۔ جن خوش نصیب افراد کو زندگی میں کسی باعمل عالم سے وعظ سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے وعظ کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

علمائے ربانیین کی آواز محض حلق سے نہیں نکلتی تھی، بلکہ دل کی عمیق گہرائیوں سے اٹھتی تھی۔ یہی قدسی نفوس علماء مسجدوں کے محرابوں میں کھڑے ہو کر دعوتِ عمل دیتے تو حاضرین میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو جاتی اور آنکھوں کے ڈھیلے فرطِ جوش سے خونیں نظر آنے لگتے۔ بارہا ایسا ہوتا کہ یہی حرب نا آشنا مٹھی بھر مسلمان خطبہ سن کر مسجد سے نکلتے اور سیاسیات عالم کا مہرہ پلٹ کے رکھ دیتے۔ انہی تاثرات کے پیش نظر شیخ سعدی نے فرمایا تھا:

صاحب دلے ہمدرد آمد ز خانقاہ
گفتم میان عابد و عالم چه فرق بود
بشکت عہد صحبت اہل طریق لا
تا اختیار کردی ازاں دین طریق لا
گفت آں گلیم خویش مے بروز موج
دیں جہد مے کند کہ بگیرد غریق لا

لیکن یہ حضرت شیخ الاسلام کا ہی مقام تھا کہ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے
عابد بھی تھے اور بے پناہ عالم بھی۔ حجرے میں بیٹھ کر ارادت مندوں کو تزکیہ نفس کی تعلیم بھی
دیتے تھے اور مسجدوں کی محراب کی زینت بن کر لوگوں کے دلوں کو گرماتے بھی
تھے۔ بسا اوقات ایک ہی نشست میں ہزار ہا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے اور یہ
تو روز کا مشاہدہ تھا کہ کوئی نہ کوئی دنیا دار فاسق، وعظمن کر چیخ اٹھا اور اپنا مال و اسباب اللہ کی
راہ میں لٹا کر حضرت کے خدام میں شامل ہو جاتا۔

غروب آفتاب سے پہلے مضافات میں ہوا خوری کے لیے تشریف لے جاتے۔
کبھی سواری پر، کبھی پیادہ اور کبھی ہوا دار میں۔ خاص خاص خدام اور ارادت مند ہمراہ
ہوتے۔ مغرب کو واپسی ہوتی اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد تخلیہ میں چلے جاتے اور
دیر تک اوراد و اذکار میں مصروف رہتے۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے پھر مسجد میں تشریف لے آتے اور نماز پڑھ کر ڈیڑھ
پہر رات تک عبادت میں مصروف رہتے۔ اوراد و اذکار سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں
تشریف لے جاتے اور غذا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت کرتے۔

ایک تہائی رات لے کر پھر بیدار ہوتے، اس وقت تہجد ادا فرماتے۔ علاوہ ازیں

خلوتی اور ادواذکار بھی ختم کئے جاتے۔ اس کے بعد صبح کی نماز تک حجرہ شریف سے قرآن مجید تلاوت کرنے کی آواز آتی اور کسی کسی وقت ایک آہ جگر دوز! جس کا اظہار ذیل کی رباعی سے ہوتا ہے۔

جوا کثر اوقات حضور کی زبان مبارک سے سننے میں آتی تھی۔

در یاد تو اے دوست چناں مدہوشم
صد تیغ اگر بزنی سے نخر و شم
آہے کہ بزغم بیاد تو وقت سحر
گر ہر دو جہاں دیندو اللہ! نفر و شم

خانوادہ سہروردیہ

سہرورد عراق عجم میں زنجان کا ایک مقام ہے، جہاں اس خانوادے کے بانی حضرت خواجہ ابونجیب سہروردی رہائش رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت حبیب عجمی تک پہنچتا ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور علاؤ الدین طوسی دو بھائی تھے اور دونوں شیخ طریقت کی تلاش میں تھے۔ اسی تجسس میں جب یہ دونوں بھائی شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بڑے مرتاض بزرگ تھے تو انہوں نے فرمایا کہ پیر کامل کی تلاش میں تو میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں۔ سنا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین ابو حفص عمر بن محمد عمویہ طوسی شیخ کامل ہیں، چلو ان سے بیعت کریں گے۔ چنانچہ یہ تینوں بزرگ حضرت شیخ طوسی کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے ابونجیب اور علاؤ الدین کو مرید کر لیا اور نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ حضرت ابونجیب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اس کا حصہ تمہارے پاس ہے، تم اس کو مرید کرو اور خلافت دو۔ تمہارا نام اس سے روشن ہوگا۔ غرض ابونجیب نے ان کو مرید کیا اور ساتویں روز خرقہ خلافت عنایت کر دیا۔ اس خانوادے کو شیخ ضیاء الدین ابونجیب اور ان کے بھتیجے اور مرید خاص حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فروغ حاصل ہوا۔ انہیں کے خلفاء جن میں حضرت مخدوم نوح بکھری، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ نور الدین مبارک غزنوی اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کو شہرت دوام اور مقبولیت عام عطا کی۔ فارسی زبان کے مانیہ ناز شاعر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کو بھی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہی شرف بیعت حاصل کی۔

حضرت مخدوم آخر بہاؤ الدین (احمد پور شرقیہ):

آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ ۱۱۹۸ ہجری میں بمقام ملتان شیخ محمد غوث کے گھر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ یہ ایک صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ دشمنوں نے زہر دے کر ان کو ہلاک کر دیا تھا، ان کا مزار احاطہ مقبرہ حضرت رکن عالم میں ہے۔

حضرت شیخ محمد غوث کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ مخدوم آخر بہاؤ الدین کو ملتان سے احمد پور شرقیہ لے آئیں۔ امیر بہاولپور نے نہایت عزت و تکریم کے ساتھ آپ کی پذیرائی کی۔

آپ عالم باعمل اور امور شرع پر سختی سے کار بند تھے۔ سہروردیہ سلسلے میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ عالم نگاہوں سے بچنے کے لیے برقعہ پہنے رہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں آپ آٹھ سال تک متواتر روزے رکھے۔ چلہ کشی کی اور سخت ریاضت کی جس کے بعد روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوئے۔

آپ کا انتقال ۱۲۶۷ ہجری میں ہوا۔ نواب فتح خان صاحب نے آپ کا پختہ مقبرہ تعمیر کرایا، جو اب بھی عقیدت مندوں کا مرجع و مرکز ہے۔ مخدوم محمد کبیر اس وقت آپ کے سجادہ نشین ہیں جو ہر سال پابندی سے آپ کا عرس کراتے تھے۔ آپ کے وصال باکمال کے بعد آپ کے جانشین پیر طریقت، راہبر شریعت، راہبر المخدوم، ولی ابن ولی پروفیسر پیر سید محمد غوث شاہ صاحب مدظلہ سلسلہ سہروردیہ کی ترویج کے لیے دن رات کوشاں ہیں اور ہر سال دربار عالیہ پر خوبصورت روحانی تقریبات کا انعقاد فرماتے ہیں۔ آپ کے مریدین میں اس وقت کثیر تعداد میں علماء کرام موجود ہیں، جو کہ دین کے کام میں شب و روز مصروف ہیں اور آپ کے خلفاء میں بھی قابل ترین صوفیاء ہیں، جو کہ آپ کے نگاہ فیض کے ذریعے سے پوری دنیا میں سلسلہ سہروردیہ کی خوشبو کو پھیلارہے ہیں۔

تعارف:

پیر مخدوم محمد غوث شاہ صاحب مدظلہ عالیہ

نام: مخدوم محمد غوث شاہ المعروف شفقت بروئے ریکارڈ پیدائش 3 جون

1945ء بروز پیر

بمطابق 7 صفر سنہ بستی کچھ میں تولد ہوئے۔

ابتدائی تعلیم بستی بھنڈی موضع پیٹ کچھ میں حاصل کی۔ پرائمری گورنمنٹ صادق

عباس احمد پور شرقیہ میں کی، میٹرک کا امتحان 1962ء میں گورنمنٹ ایس اے (صادق

عباس) ہائی سکول احمد پور شرقیہ سے پاس کیا۔ ایف۔ اے، بی۔ اے کے امتحانات

گورنمنٹ ڈگری کالج بہاولنگر سے پاس کیے۔ ایم۔ اے اور سینٹیل یونیورسٹی لاہور سے

1969ء میں پاس کیا۔ ایل۔ ایل۔ بی جامعہ کراچی سے اول درجہ میں اول پوزیشن حاصل

کی۔

1970-6-6 سے بطور جونیئر کلرک گورنمنٹ ملازمت کا آغاز ہوا۔ ستمبر

1972ء میں بطور پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر پولیس بھرتی ہوئے۔ 1975ء میں حج بیت اللہ

ادا کیا، اس کے بعد پولیس سروس چھوڑ دی اور محکمہ تعلیم میں بطور لیکچرار ملازمت کا آغاز کیا۔

2005ء میں اس محکمہ سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ ہوئی۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کا علم حضرت مولانا ظریف فیضی اور ان کے بیٹے حضرت مولانا

منظور احمد فیضی احمد پوری سے حاصل کیا۔ اپنے والد محترم مخدوم محمد شیخ کبیر الدین سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت کی۔ مرشد کریم نے سلسلہ سہروردیہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ وغیرہ میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔

خانوادہ سہروردیہ

سہرورد عراق عجم میں زنجام کا ایک مقام ہے۔ اس خانوادے کے بانی حضرت خواجہ ابونجیب رہائش رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نو واسطوں سے حبیب عجمی تک پہنچتا ہے۔
(اصل مسودہ کا کچھ حصہ پھٹا ہوا ہے، اس کی تصحیح کر لیں)

انہوں نے ابونجیب اور علاؤ الدین کومرید کر لیا اور نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ حضرت ابونجیب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ اس کا حصہ تمہارے پاس ہے۔ تم اس کومرید کرو اور خلافت دو۔ تمہارا نام اس سے روشن ہوگا۔ غرض ابونجیب نے ان کومرید کیا اور ساتویں روز خرقہ خلافت عنایت کر دیا۔ اس خانوادے کوشیخ ضیاء الدین ابونجیب اور ان کے بھتیجے اور مرید خاص حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے فروغ حاصل ہوا۔ انہیں کے خلاء نے جن میں حضرت مخدوم نوح بکھریؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ،

(اصل مسودہ کا کچھ حصہ پھٹا ہوا ہے، اس کی تصحیح کر لیں)

مخدوم آخر بہاؤ الدینؒ (احمد پور شرقیہ):

(اصل مسودہ کا کچھ حصہ پھٹا ہوا ہے، اس کی تصحیح کر لیں)

حضرت شیخ محمد غوث کی وفات بعد آپ کی اہلیہ محترمہ مخدوم آخر بہاؤ الدین کو ملتان سے احمد پور شرقیہ لے آئیں۔ امیر بہاولپور نے نہایت عزت و تکریم کے ساتھ آپ کی پذیرائی کی۔

آپ عالم باعمل اور امور شرع پر سختی سے کار بند تھے۔ سہروردیہ سلسلے میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ عالم نگاہوں سے بچنے کے لئے برقعہ پہنے رہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں آپ نے آٹھ سال تک متواتر روزے رکھے، چلہ کشی کی اور سخت ریاضت کی جس کے بعد روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوئے۔

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی

کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں اس کی تصحیح و اصلاح کا بھی

انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زور کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع

ہوں تو اسی گزارش کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی

اصلاح ہو سکے۔

احسان پبلشرز